ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

بحیثیت شبلی شناس

شائستہ ریاض

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت شبلی شناس

شائستہ ریاض

ادبی دائرہ، اعظم گڑھ

- نام کتاب : ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بحیثیت شبلی شناس
- مرتب : شائستہ ریاض
- صفحات : ۱۷۶
- طبع اول : دسمبر ۲۰۱۳ء
- ناشر : ادبی دائرہ اعظم گڑھ
- طباعت : اصیلہ پریس، دہلی
- قیمت : Rs:200/-

ملنے کے پتے

- ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، علی گڑھ، ۲۰۲۰۰۲
- ادبی دائرہ، ۱۳/۱۰۷، غلامی کا پورہ عقب آواس وکاس کالونی اعظم گڑھ، ۲۷۶۰۰۱
- سالم بک ڈپو، ایک منارہ مسجد، تکیہ اعظم گڑھ ۲۷۶۰۰۱

○○○

ابو

ماسٹر ریاض احمد

کے نام

ترتیب

ا۔ متعلقات شبلی

۲۔ کتابیات شبلی

۳۔ شبلی سخنوروں کی نظر میں

۴۔ مکتوبات شبلی

۵۔ آثار شبلی

Shibli shanasi of Dr Mohammad Ilyas Azmi

Afzal Usmani

پیش لفظ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی [پ:۲۳؍ستمبر۱۹۶۶ء] گذشتہ ۲۵-۲۶؍برسوں سے مسلسل لکھنے پڑھنے میں مصروف ہیں۔مختلف موضوعات پر اب تک دو درجن سے زاید علمی و تحقیقی کتابیں اور پچاسوں مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ان کی پہلی کتاب اسہل التجوید ۲۰؍برس کی عمر میں جب وہ طالب علم تھے حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحب کی تقریظ کے ساتھ شائع ہوئی۔جس میں قاری صاحب نے یہ شعر بھی لکھا ہے:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اس کتاب پر ماہنامہ معارف میں تبصرہ کرتے ہوئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ڈاکٹر صاحب کو اللہم زدفزد کی دعا دی تھی، کہا جا سکتا ہے کہ یہ دعا منظور ہوئی اور ڈاکٹر صاحب نے مسلسل کام کیا۔اور اب تک اس میں تندہی کے ساتھ مصروف ہیں۔

اہل علم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اور ان کی تصنیفات و تالیفات، تراجم اور ان کی اہمیت اور قدر و قیمت سے بخوبی واقف ہیں۔اس کا اظہار و اعتراف بھی مضامین اور تبصروں کی شکل میں گاہے بگاہے ہوتا رہا ہے، لیکن ڈاکٹر صاحب کی کاوشوں کا اب تک مفصل مطالعہ و جائزہ پیش نہیں کیا گیا۔حالانکہ نسبتاً کم کام کرنے والوں پر ایم فل اور پی ایچ، ڈی کے مقالات لکھے جا چکے ہیں۔ادبی دنیا کی اس بے التفاتی اور عدم توجہی نے مجھے اس کام کی طرف راغب کیا۔خیال تھا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتابوں کا بھرپور جائزہ لے کر ان کی اہمیت، افادیت اور قدر و قیمت واضح کروں۔میں نے ڈاکٹر صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کی اجازت نہیں دی اور مجھے

سختی سے روکا۔ چنانچہ میں نے ان سے اس بات کی اجازت لی کہ آپ محض ان تبصروں کو جو ہندوستان اور پاکستان کے ناموراورممتاز اہل قلم نے آپ کی کتابوں پر لکھے ہیں، ان کو مرتب کر کے شائع کرنے کی اجازت دیدیں۔ میں نے ان کے سامنے یہ دلیل بھی دی کہ یہ آپ کی کتابوں کی ایک طرح کی توضیحی فہرست ہوگی۔اس سے لوگوں کوآپ کی تصنیفات وتالیفات کے بارے میں اہل علم کے آراء وخیالات کا اندازہ ہوگا اوران سے بھرپور استفادہ کی راہ ہموار ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے اس کام کی اجازت دیدی۔

جامعۃ الفلاح کی طالب علمی کے زمانہ سے میری یہ خواہش تھی کہ میں بھی کچھ لکھنے کی سعادت حاصل کروں۔الحمدللہ میں اپنی کلاس میں ممتاز رہی اور امتیاز کے ساتھ فضیلت کیا۔تعلیم ختم ہوتے ہی استاذ گرامی مولانا عبدالمجید اصلاحی صاحب مدظلہ العالی نے مدرسہ بنات المسلمین جیراج پور میں صدر معلّمہ مقرر کردیا،جس کی مصروفیات نے قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ پھر شادی کے بعد ہاؤس وائف ہوکر رہ گئی اوراب ۲۰ ر برس بعد بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکر دامن گیر ہے۔ لیکن زمانہ طالب علمی کی خواہش دل سے نہ گئی، چنانچہ یہ چھوٹا سا کام کر کے اوران تبصروں کو جمع کر کے اپنی دیرینہ خواہش کی تکمیل کررہی ہوں۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تصنیفات کی فہرست طویل ہے اوران پر تبصرے بھی کثرت سے ہوئے ہیں۔ جب میں نے ان تبصروں کو جمع کر کے کمپوز کرایا تو اس کی ضخامت بہت بڑھ گئی، مجبوراً اسے دوحصوں میں کرنا پڑا۔ یہ اس کا پہلا حصہ ہے۔آئندہ اللہ تعالی نے توفیق دی تو دوسرا حصہ بھی مرتب کروں گی۔جس میں مندرجہ ذیل کتابوں پر تعارف وتبصرہ شامل ہوگا:

(۱)اسہیل التجوید(۲)علم الترتیل(۳) تذکرۃ القراء(۴)علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ(۵)دارالمصنّفین کی تاریخ خدمات(۶)عظمت کے نشاں(۷)مطالعات و مشاہدات(۸)عکس واثر(۹)یگانہ روزگار مولانا عبدالسلام ندوی(۱۰)شاہ معین الدین احمد ندوی حیات وخدمات(۹)ساحلوں کے شہر میں(۱۰) کتابیں حصہ اول(۱۱) کتابیں حصہ دوم(۱۲) اشاریہ ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ(۱۳)شبلی کے نام اہل علم کے خطوط وغیرہ۔

ڈاکٹر صاحب نے کئی کتابیں ایڈٹ اور ترجمہ کی ہیں۔ان میں موازنہ انیس ودبیر،

اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر، کاروان رفتگاں اور تاریخ اعظم گڑھ اور تراجم میں رحمت عالم کا ہندی ترجمہ خاص قابل ذکر ہیں۔ ان پر اہل قلم کے نقد و تبصرے دوسرے حصے میں شامل ہوں گے۔

اصولی طور پر زیر نظر حصے کو بعد میں شائع ہونا چاہئے تھا مگر اس حصے سے مجھے کچھ زیادہ دلچسپی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی علیہ الرحمہ کا ذکر ہے۔ چونکہ میں بندول میں پیدا ہوئی، اسی کی فضاؤں میں پلی بڑھی، علامہ شبلی میرے بزرگ ہیں اور ان کی ذات و کمالات اور ان کے عظیم الشان کارناموں پر ہم ہی نہیں سارا زمانہ فخر کرتا ہے۔ اس لئے اس حصہ کو اولیت دی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی دوسری علمی و ادبی کاوشیں کم اہم نہیں۔ انہیں اہل علم نے بجا طور پر بلند پایہ محقق، مصنف، نقاد اور صاحب اسلوب ادیب لکھا ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کو علامہ شبلی کے عظیم الشان کارناموں اور ان کے افکار و خیالات سے بے انتہا دلچسپی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہوں نے گذشتہ برسوں میں ان پر مسلسل کام کیا ہے اور ان کی اب تک چھ کتابیں ([۱] متعلقات شبلی ۲۰۰۸ء [۲] کتابیات شبلی ۲۰۱۱ء [۳] شبلی سخنوروں کی نظر میں ۲۰۱۲ء [۴] مکتوبات شبلی ۲۰۱۲ء [۵] آثار شبلی ۲۰۱۳ء اور [۶] علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط) شائع ہو چکی ہیں۔ اور ایک کتاب ''شبلی شناسی کے سو سال'' زیر طبع ہے۔

علامہ شبلی پر ہندو پاک میں اس قدر کام شاید ہی کسی اور اہل قلم نے کیا ہو۔ مذکورہ کتابوں پر بے شمار اہل علم و قلم، محققین اور مبصرین نے نقد و تبصرے کئے ہیں اور بعض اہل قلم نے مستقل مضامین لکھ کر ڈاکٹر صاحب کی شبلی شناسی کا اعتراف کیا ہے۔ اس کتاب میں انہیں مضامین اور تبصروں کو جمع کیا گیا ہے۔ اس سے نہ صرف علامہ شبلی کی شخصیت اور عظمت کے متنوع پہلو سامنے آتے ہیں بلکہ خود مصنف کی علمی و تحقیقی کاوشوں کا پورے طور پر ادراک ہوتا ہے۔ اس میں جو تبصرے شامل ہیں ان میں کسی قسم کا ردو بدل نہیں کیا گیا ہے۔ ان میں الیاس صاحب کی تعریف و تحسین کے ساتھ ان پر متعدد تنقیدیں بھی کی گئی ہیں۔ چونکہ ایک کتاب پر کئی کئی اہل قلم کے تبصرے شامل ہیں، اس لئے ان میں جابجا تکرار اور اعادہ خیال بھی پایا جاتا ہے، مگر چونکہ وہ ہر اہل علم اور صاحب قلم کے اپنے خیالات تھے، اس لئے اس میں کسی طرح کی کوئی تبدیلی مناسب نہیں خیال کی گئی اور انہیں جوں کا توں شائع کیا جا رہا ہے۔ اردو ادب میں تبصروں اور طویل مطالعات

یکجا شائع ہوئے ہیں اور اب بھی شائع ہوتے رہتے ہیں مگر کسی ایک مصنف کی تصنیفات پر مختلف اہل قلم کے تبصروں کا اردو میں غالبًا یہ پہلا مجموعہ ہے۔ بالفاظ دیگر یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے اردو میں ایک منفرد کوشش ہے۔ یقین ہے اس سے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی شخصیت، خدمات اور ان کی تصنیفات کی قدر و قیمت کے سمجھنے میں آسانی ہوگی اور یہ واضح ہو جائے گا کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تصنیفات پر اہل علم نے کس طرح کا اظہار خیال کیا ہے اور ان کی تصنیفات کی افادیت اور قدر و قیمت کیا ہے۔ اس میں انہوں نے تصنیف و تالیف کے کس بلند معیار سے کام لیا ہے اور کس قدر عرق ریزی اور پتہ ماری کی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ذکر نئی نسل کے معتبر مصنف، محقق، ادیب اور نقاد کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ ان کی تصنیفات کو ملک و بیرون ملک بڑا اعتبار نصیب ہوا۔ اب کتب و مقالات میں ان کے حوالے دئے جاتے ہیں۔ ان کی تحقیقات پر بھی اہل علم کو بڑا اعتبار ہے۔ ان کا اسلوب نگارش شستہ و شگفتہ اور بڑا دل نشیں ہے۔ متعدد ممتاز اہل قلم نے ان کی اس خوبی کا اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا مجیب اللہ ندوی مرحوم، مولانا ضیاء الدین اصلاحی، پروفیسر خورشید نعمانی، جناب شمس الرحمٰن فاروقی، ڈاکٹر ابرار اعظمی، پروفیسر شارب ردولوی، پروفیسر عبدالستار دلوی، وغیرہ نے ان کے اسلوب نگارش کی بڑی تحسین و ستائش کی ہے۔ وہ بڑی شستہ و شگفتہ اور رعنا نثر لکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں مقبول ہیں اور بعض کتابوں کے دو، دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ بہر حال میں نے یہ کتاب مرتب کر کے ایک جسارت کی ہے۔ امید ہے کہ علمی و ادبی میں حلقوں میں اس کا استقبال کیا جائے گا۔ یقین ہے اس سے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تصنیفی خدمات کے جائزے کا آغاز ہوگا۔ جو دراصل شبلی شناسی ہی کا ایک حصہ ہوگا۔

شائستہ ریاض نعمانی

سابق پرنسپل مدرسۃ البنات

جیراج پور۔ اعظم گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

[ایک تعارف]

وطن : موضع مہراج پور (انور گنج) اعظم گڑھ

ولدیت : الحاج عبدالرزاق مرحوم، بانی مدرسہ اسلامیہ انور گنج

ولادت : ۲۳ ستمبر ۱۹۶۶ء بروز جمعہ

تعلیم : ۱۔ ایم.اے. اردو۔ آگرہ یونیورسٹی آگرہ

۲۔ پی ایچ.ڈی. پوروانچل یونیورسٹی جون پور

۳۔ نٹ: یو.جی.سی

۴۔ ادیب کامل۔ جامعہ اردو علی گڑھ

۵۔ عالم، منشی، کامل۔ عربی فارسی بورڈ الہ آباد

۶۔ معلم اردو۔ جامعہ اردو علی گڑھ

مشغلہ : ہیڈ ماسٹر: پری ہائر سکنڈری اسکول

تصنیفات :

۱۔ اسہل التجوید	۱۹۸۶ء
۲۔ تذکرۃ القراء	۱۹۹۶ء
۳۔ علم الترتیل	۱۹۹۶ء
۴۔ علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ	۲۰۰۱ء
۵۔ دارالمصنفین کی تاریخی خدمات	۲۰۰۲ء
۶۔ اشاریہ ماہنامہ الرشاد	۲۰۰۴ء

	۷۔عظمت کے نشاں طبع اول	۲۰۰۵ء
	طبع دوم	۲۰۱۰ء
	۸۔ساحلوں کے شہر میں	۲۰۰۶ء
	۹۔شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات	۲۰۰۷ء
	۱۰۔متعلقات شبلی طبع اول	۲۰۰۸ء
	طبع دوم	۲۰۱۰ء
	۱۱۔مطالعات ومشاہدات	۲۰۱۰ء
	۱۲۔کتابیات شبلی	۲۰۱۱ء
	۱۳۔شبلی سخنوروں کی نظر میں	۲۰۱۲ء
	۱۴۔آثار شبلی	۲۰۱۳ء
	۱۵۔کتابیں-۱	۲۰۱۲ء
	۱۶۔کتابیں-۲	۲۰۱۳ء
	۱۷۔عکس واثر	۲۰۱۳ء
	۱۸۔علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط	۲۰۱۳ء
ترجمہ :	۱۔رحمت عالم (اردو سے ہندی)	۲۰۰۹ء
	۲۔نیور بی اے ہندو (ہندی سے اردو)	۲۰۱۰ء
تحقیق وتدوین:	۱۔اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	۱۹۹۹ء
	۲۔موازنہ انیس ودبیر	۲۰۰۴ء
	۳۔کاروان رفتگاں	۲۰۰۸ء
	۴۔تاریخ اعظم گڑھ	۲۰۱۱ء
	۵۔مکتوبات شبلی	۲۰۱۲ء

اعزازی رفیق: دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

رکن : رکن بین الاقوامی مجلس مشاورت مجلّہ جہات الاسلام، لاہور

رکن مجلس ادارت ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ

سابق مدیر اعزازی: ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ

سابق رکن مجلس ادارت: شبلی نیشنل کالج میگزین، اعظم گڑھ

سابق رکن مجلس ادارت: ماہنامہ آموزگار رجل گاؤں

سکریٹری ادبی دائرہ اعظم گڑھ

رکن جونیئر ہائی اسکول شکچھک سنگھ اعظم گڑھ

انعام : (۱) عظمت کے نشاں پر اردو اکادمی انعام

(۲) متعلقات شبلی اردو اکادمی انعام

رہائش : (۱) رحمت نگر عقب آواس وکاس کالونی شہر اعظم گڑھ

(۳) ای میل azmi408@gmail.com

(۴) ویب سائٹ: www.drmiazmi.webs.com

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

(اہل علم وادب کی نظر میں)

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق سرزمین شبلی سے ہے جس کا ذرہ بھی نیر اعظم بن کر چمکتا ہے۔انہوں نے بہت کم عرصہ میں علم وادب کی دنیا میں اپنی جو جگہ بنائی ہے وہ بہت سے لوگوں کو برسوں کی محنت وریاض کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی۔ان کے قلم سے کئی ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن کی وجہ سے وہ ارباب علم ودانش کا مرکز توجہ ہو گئے ہیں اور گزشتہ دس بارہ برسوں میں علمی وتحقیقی مضامین کے تو اتنے انبار لگائے ہیں کہ ہند وپاک کا شاید ہی کوئی مؤقر اور قابل ذکر رسالہ ایسا ہو جوان سے متمتع نہ ہوا ہو۔

ان کے خیالات میں جہاں اعتدال وتوازن ہوتا ہے وہاں تحریر میں بھی پختگی اور دلکشی ہوتی ہے۔ان کی تحسین وتنقیص بھی غلو اور مبالغہ سے عموماً خالی ہوتی ہے۔''

(مولانا ضیاء الدین اصلاحی)

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی محنت وتحقیق سے لکھی ہوئی متوازن تحریریں ملک میں شوق سے پڑھی جاتی ہیں۔ان کی کئی کتابیں شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ خاص طور پر شبلی وسلیمان سے متعلق ان کی تحریریں تحقیق وتدقیق کا بہترین نمونہ ہیں۔''

(مولانا مجیب اللہ ندویؒ)

متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں، مکتوبات شبلی اور اب آثار شبلی قیامت دم لے یا نہ لے، لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہیں کہ شبلی شناس کی راہ میں سفر مدام میں مبتلا

ہیں۔اہل علم اب تک غالب شناسی و اقبال شناسی تک محدود ہوکر رہ گئے تھے لیکن مولانا شبلی ان بزرگوں سے کم تھے، اس میں شک نہیں کہ شبلی پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن جس جوش و جذبہ اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے وہ قابل صد تحسین و آفریں ہے اور اس شعر کا معنوی مصداق بھی:

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

(پروفیسر خورشید نعمانی رودولوی)

مقام صد مسرت ہے کہ عزیز مکرم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بھی ''متعلقات شبلی'' تالیف کرکے ذخیرہ شبلیات میں ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے، یہ کتاب دراصل موصوف عزیز کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہوئے۔ ان میں بعض مضامین بلاشبہ فکر و نظر کے نئے زاویے روشن کرتے ہیں۔(ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی)

برادرم الیاس الاعظمی، سلام علیکم۔

کچھ دن پہلے آپ کی کتاب ''مکتوبات شبلی''، ملی تھی، بہت خوشی ہوئی۔شکریہ۔آپ اس زمانے کے چند لوگوں میں سے ہیں جو دل لگا کر کام کرتے ہیں۔ علامہ مرحوم کے ان خطوط کی تدوین بھی آپ کے اچھے کاموں میں گنی جائے گی۔ (شمس الرحمٰن فاروقی)

شبلی مؤرخ، سیرت نگار، ناقد، ادیب اور شاعر تھے۔ایک مدت تک گنبد گردوں ان کے نام اور کام سے گونجتا رہا اور ابھی تک ان کا نہ کوئی مثیل، نہ عدیل اور نہ کوئی بدیل سامنے آسکا ہے۔شبلی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتابیں شبلی اور متعلقات شبلی کے موضوعات پر سبد گل کی حیثیت رکھتی ہیں۔حیات شبلی کا مطالعہ کرنے والا ان کی تحریروں سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔شبلی اور شبلی سے وابستہ ہر چیز کی محبت ان کے

رگ و پے میں اس طرح سرایت کرگئی ہے ''شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم''۔

اسی محبت کا کرشمہ ہے انہوں نے اب ان نظم نگاروں اور نظموں کو جمع کیا ہے جو شبلی کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔ یہ نظمیں محبت کے باج اور عقیدت کے خراج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان نظموں کو جمع کرنے کے لئے انہوں نے ہر کنویں میں ڈول ڈالا اور ہر خزانہ علم تک رسائی حاصل کی۔ انہوں نے ان کو اس طرح جمع کیا جس طرح چیونٹی شکر کے دانے جمع کرتی ہے یا جس طرح ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی تعمیر کے لئے ہر طرف سے تنکا اور سامان جمع کرتا ہے۔ جب تک ایک محقق اپنے مقام سے آگے بڑھ کر شہید جستجو نہ بن جائے وہ ایسی گراں مایہ علمی خدمت نہیں انجام دے سکتا۔ جس ذات گرامی کے لیے قرآن میں ''ورفعنا لک ذکرک'' کی آیت نازل ہوئی ہے اس کے سیرت نگار کے لیے بھی رفعت ذکر کی نوید آسمان سے آتی ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

(پروفیسر محسن عثمانی)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ان کی رگوں میں 'عشق شبلی' مانند لہو گردش کرتا ہے تو شاید غلط نہ ہوگا۔ ''متعلقات شبلی''، ''کتابیات شبلی'' اور ''آثار شبلی'' کی تصنیف کے دوران موصوف کو خیال آیا کہ علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور ان کے لازوال کارناموں پر متعدد شعرائے کرام نے جو منظوم اظہار خیال کیا ہے اور یہ بیش قیمت سرمایہ جا بہ جا بکھرا ہوا ہے۔ اسے یکجا کر کے کتابی شکل دینے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر الیاس نے یہ مشکل کام کر دکھایا اور ایک مفصل کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ (خورشید اختر)

یہ آپ کی خاکساری ہے جو آپ خود کو خوردوں میں شمار کرتے ہیں۔ فارسی کی کہاوت ہے ''بزرگی بہ علم است نہ کہ بہ عمر۔'' آپ کے سنجیدہ تحقیقی مقالات آپ کو جو علمی مرتبہ عطا کر رہے ہیں کم علم بزرگ بھی آپ کے سامنے ہیچ نظر آتے ہیں، خدا کرے آپ کی علمی فتوحات جاری رہیں۔

(ڈاکٹر اکبر رحمانی)

حال ہی میں ایک کتاب منظر عام پر آئی جس میں شبلی کو ایک نئے رخ سے پیش کیا گیا ہے۔شبلی ادیبوں کی نظر میں،شبلی نقادوں کی نظر میں،شبلی معاصرین کی نظر میں وغیرہ،مگر مرتب نے اس کتاب کے ذریعے شبلی سے منسلک ایک نئے گوشے کو روشن کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شعری زبان جو دھڑکنوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام بہتر طور پر کرسکتی ہے۔شبلی پر سیکڑوں نظمیں لکھی گئیں مگر انہیں مجموعی طور پر شائع نہیں کیا گیا۔'شبلی سخنوروں کی نظر میں' کے ذریعے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بلاشبہ شبلی شناسی میں اضافے کی صورت پیدا کی ہے۔ (ڈاکٹر حنا افشاں)

''شبلی کی فکری اسالیب کی بازیافت ایک عمومی مطالعہ کا مطالبہ کرتی ہے اور شبلی شناسی کی تشویق پیدا کرتی ہے۔شبلی کے قلم کی ساحری اور دلنوازی سے بے نیازی ممکن نہیں۔سو سال گذرنے کے باوجود شبلی کے اسالیب،بیان کی پیروی ناموس ادب کی پہچان بنی ہوئی ہے۔ہم شکر گذار ہیں کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شائقین شبلی کے لیے ایک کشادہ راہ ہموار کی ہے اور علامہ کو نئے انداز نظر سے پرکھنے میں ہماری رہبری کی ہے۔پھر عہد حاضر میں شبلی کی باز آفرینی کے لیے ایک نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے اور شبلی کے افکار کی تشکیل وترتیب نو کی طرف ذی فکر اہل قلم کی توجہ نے ہماری حیرت افزائی میں اضافہ کیا ہے۔پوری صدی شبلی و اقبال کے تصورات اور فکر سے فیضان حاصل کرتی رہی ہے۔یہ نئی صدی ہی نہیں بلکہ طلوع صبح محشر تک شبلی کے صدق وصفا کی یہ گذرگاہ ہماری کامرانیوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔'' (پروفیسر عبدالحق)

''اردو ادب کے معروف لکھنے والے،متعدد مقالات اور کتابوں کے مصنف،تحقیق وعلم کی مشرقی اور اسلامی روایات کے پاسدار،فکر شبلی وسلیمان کے پارکھ اور ترجمان محنت،علم،تحقیق اور فکر ونقد میں انفرادیت کے حامل،استاد ادب اردو مگر اسلامیات سے وابستہ،ان تک محنت اور بلند پایہ تحقیقات کے دلدادہ،علم وکمال کی دنیا میں ابھرتے ہوئے نوجوان محقق وعالم۔''

(پروفیسر محمد یسین مظہر صدیقی)

''میں اور میری تحسین کیا۔لیکن میں آپ کی اصابتِ رائے، تہذیب اسلوب، طرز اعتدال، سنجیدہ بیانی اور پیرایہ کی شگفتگی سے بہت متاثر ہوا۔ آپ ان احترامات کے قایل اور پاسبان بھی ہیں جنہیں اہل قلم کی نئی نسل نے طغیانیٔ تحقیق میں ترک کر دیا ہے۔ آپ کی فروتنی اور آپ کی روش اعتدال ہر آئینہ قابل ستائش ہیں۔'' (سید حامد)

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا نام غیر معروف ہے نہ محتاج تعارف، خصوصاً علامہ شبلی پر ان کے بکثرت مضامین نے ان کو شبلیات کے ایک مستند ماہر کا درجہ عطا کر دیا ہے، ان کے اسلوب پر بھی اس کا صاف اثر محسوس ہوتا ہے۔ نوعمری میں انہوں نے پختہ مشقی کی دولت جس محنت، لگن اور ذوق وشوق سے حاصل کی ہے۔ اس کو صرف سعادت خدادداد ہی کہا جا سکتا ہے۔ ان کی تحریروں کی سب سے بڑی خوبی موضوع سے صدفی صد انصاف ہے، ان کی ہر تحریر میں معلومات کا بیش قیمت ذخیرہ ہوتا ہے، جس کو وہ نمل ونحل کی طرح شکر ریزوں اور پھولوں سے حاصل کرتے ہیں اور نتیجے میں شہد اور شکر کے انبار کی شکل میں اپنے قارئین کو لطف ولذت سے آشنا کرتے ہیں۔

(مولانا عمیر الصدیق ندوی)

''ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی فکر شبلی کے اداشناس اور خطہ اعظم گڑھ کے گل سرسبد ہیں۔'' (ڈاکٹر محمد عارف عمری)

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کی حیات اور کارناموں کے مختلف گوشوں پر جتنا اور جیسا کام جس محنت اور لیاقت سے انجام دیا ہے وہ لائق ستائش بھی ہے، موجب تہنیت بھی اور باعث رشک بھی۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی کلاہ افتخار میں ایک اور قیمتی پر ہے۔

(پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی)

---

[۱]

متعلقاتِ شبلی

پروفیسر محسن عثمانی

سابق پروفیسر، شعبہ عربی، سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف لنگویجز، حیدرآباد

علامہ شبلی نعمانی اسلامی علوم وفنون کے ماہر عبقری انسان تھے۔ اسلامی علوم کے ماہر یوں تو ان کے زمانہ میں متعدد تھے لیکن وہ سب بے زبان تھے، کیونکہ اس کے پاس وہ زبان نہ تھی جو فصاحت و بلاغت کے ساتھ علم کا اظہار کرتی۔ ان کے پاس وہ قلم نہ تھا جو طاقتور اسلوب میں ان علوم کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرسکتا۔ ایک گونگا شخص خواہ کتنا ہی قابل اور فاضل ہو اس کی قابلیت اور اس کی فضیلت سے انسانیت کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ یہ نقصان ان علماء کو شعروادب کے حاسہ سے محرومی کی وجہ سے پہنچا تھا۔ قرآن ادب کا معجزہ ہے۔ پیغمبرؐ کا کلام ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے باوجود علماء کے اندر ادب سے بے نیازی پائی جاتی تھی۔ اس وجہ سے ان کی تحریریں حسن سے عاری اور تاثیر سے خالی تھیں۔ ضعف لسانی اور ژولیدہ بیانی کا وصف کہیں ڈھونڈھنا ہو تو قدیم طرز کے مدارس کے علماء اور فضلاء کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔ علماء کی صف میں علامہ شبلی پہلے انسان تھے جنہوں نے شعروادب کی طرف پوری توجہ کی اور اسلامی علوم کے خزانہ کو ادب کے لباس حریر سے آراستہ کیا اور خشک موضوعات کو اپنے اسلوب تحریر سے رنگین اور حسین بنادیا۔ انہوں نے کلام الٰہی اور کلام رسول کی پیروی میں مذہبی موضوعات میں ادب کا لطف پیدا کیا۔ ہر طرف حسن انشاء کی چاندنی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔ انہوں نے پچاس سال سے کچھ ہی زیادہ عمر پائی۔ اس حیات مستعار اور اس عمر مختصر میں ناتوانی صحت کے ساتھ جو علمی ادبی کارنامے انہوں نے انجام

دیئے وہ عمر مدید لے کر آنے والے علماء بھی انجام نہیں دے سکے۔ انہوں نے بقول مولانا سید سلیمان ندوی بتیس برس تک ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کی اسلامی دنیا کو اپنے قلم کی روانی سے سیراب اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم اور اپنی نواسنجیوں سے پرشور رکھا۔ علم ودانش کے میدان میں شبلی کی شخصیت اتنی معتبر اور مستحکم ہے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس نے نگارشات شبلی کا مطالعہ نہیں کیا وہ تعلیم یافتہ انسان ہی نہیں ہے۔ عربی انگریزی اور دنیا کی کئی زبانوں میں شبلی کی تصنیفات کے ترجمے ہو چکے ہیں۔ الیاس اعظمی کی کتاب متعلقات شبلی میں تصانیف شبلی کے تراجم پر بھی معلومات افزا مضمون شامل ہے۔ شبلی نے ندوہ کے فضلاء میں اپنی تربیت اور توجہ سے ادیبوں اور انشا پردازوں اور اہل علم مصنفین کی ایک کہکشاں تیار کر دی تھی۔ دبستان شبلی باد بہاری کا ایک جھونکا تھا جس سے قدیم طرز کے مدارس کے علماء متاثر ہوئے اور ان مدارس سے مولانا مناظر احسن گیلانی، قاضی اطہر مبارکپوری، سعید احمد اکبرآبادی اور ڈاکٹر حمید اللہ جیسے اہل قلم و محققین پیدا ہوئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ کا دارالمصنّفین سے گہرا تعلق سب کو معلوم ہے۔ ان حضرات کے علمی کاموں سے گنبد مینا گونج رہا ہے، لیکن سب نے کم یا زیادہ شبلی کے چراغ سے اپنا چراغ جلایا ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

شبلی کی کتابیں مقبول ترین کتابیں ہیں جو پہلے بھی پڑھی گئیں اور آئندہ بھی پڑھی جاتی رہیں گی۔ ان کے علمی اور ادبی کارناموں پر کام پہلے بھی ہوا اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ یہ سلسلہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ کتاب ہے جس کا نام ''متعلقات شبلی'' ہے اور جس کے نیک نام مصنف ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی ہیں، جنہوں نے دارالمصنّفین اور اس کی تابناک شخصیتوں پر کتابوں کا انبار لگا دیا ہے اور یہ وہ موضوع ہے جس میں ان کا قلم موتی رولتا گل کترتا اور پھول کھلاتا ہوا چلتا ہے۔ ان کی تحریریں دارالمصنّفین کا فیضان دانش وبینش کی داستان اور دبستان شبلی کی ترجمان ہیں۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت میں گلشن ہند کا تذکرہ ہے جسے علامہ شبلی کے دست ہنرمند اور خامہ تحقیق پسند نے تہذیب وتصحیح سے آراستہ کیا تھا اور جس کا تذکرہ مفصل اور مطول سوانح عمری ''حیات شبلی''، میں بھی نہیں ملتا ہے۔ ''متعلقات شبلی'' کی اہمیت اس مضمون کی وجہ

سے بھی ہے۔موازنہ انیس ودبیر پران کا مضمون اعتراض کا وافی اور شافی جواب ہے۔اور دبستان شبلی سے اپنی وابستگی کا انہوں نے حق ادا کر دیا ہے۔''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' میں انہوں نے اعتراضات کا علمی جائزہ لیا ہے۔ان مضامین کی وجہ سے کتاب کا نام متعلقات شبلی کے بجائے ''دفاع شبلی'' یا''محاسن شبلی اور چنداعتراضات کا جائزہ'' یا''شبلی ذکر اس پری وش کا اور کچھ رقیبوں کا'' وغیرہ ہونا چاہیے۔کتاب کے نام سے مضامین کی نوعیت اوران کی اہمیت کا بالکل اندازہ نہیں ہوتا ہے۔بس یہ اندازہ ہوتا ہے کچھ نہ کچھ اس میں شبلی سے متعلق ہے۔الیاس اعظمی صاحب کا یہ کام بلند مرتبہ اور شوق انگیز ہے لیکن کتاب کا نام خودان کی شخصیت کی طرح بہت متواضع قسم کا ہے۔

نئ نسل کے ان نوجوانوں کے لیے جو علم کے میدان میں کوئی کارنامہ انجام دینا چاہتے ہیں شبلی کی شخصیت یا دبستان شبلی مثالی اور آئیڈیل شخصیت ہونا چاہیے اور جو شخص شبلی جیسی شخصیت کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہے اور علم وتحقیق کی دنیا میں کوئی کارنامہ انجام دینا چاہتا ہے اسے سب سے پہلے علم سے محبت اور کتابوں سے محبت ہونی چاہیے اور تحقیق کے جدید اصول سے واقف ہونا چاہیے۔اسے علمی کتابوں کے مطالعہ کی عادت ہونی چاہیے۔شبلی اسکول سے وابستگی کا مطلب یہ ہے کہ انسان اسلامی علوم کے ساتھ جدید نظریات،عصر حاضر کی تحریکات اور جدید اصول تحقیق اور اسلوب ادب سے واقف ہو۔شبلویت یا ندویت اسی جامعیت کا دوسرا نام ہے۔

شبلی کا علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں لکچرر کی حیثیت سے تقرر ہوا تھا اوران کا انٹرویو کسی اور نے نہیں بلکہ خود سرسید نے لیا تھا لیکن ان کا انٹرویو کیسے ہوا تھا۔آج کل کے نوجوانوں اور طالب علموں اور اساتذہ کے لیے اس کا جاننا ضروری ہے۔شبلی کو انٹرویو کے دن سرسید کی لائبریری میں بٹھا دیا گیا تھا۔شیشے کی الماریوں میں کتابیں بند تھیں۔انٹرویو کے انتظار میں شبلی الماریوں کے شیشے سے جھانک جھانک کر کتابوں کا جائزہ لے رہے تھے۔بہت دیر کے بعد سرسید نمودار ہوئے اور کہا کہ آج دیر ہوگئی ہے اب انٹرویو کل اسی وقت ہوگا۔دوسرے دن شبلی پہنچے تو دیکھا کہ الماریاں کھلی ہوئی ہیں وہ پھر آج کتابوں کا جائزہ لینے میں مصروف ہوگئے۔اور سرسید آج بھی دیر سے آئے اور پھر انہوں نے معذرت کی اور یہ کہا کہ انٹرویو اب کل ہوگا۔تیسرے دن شبلی انٹرویو کے انتظار میں الماریوں سے کتاب نکال کر مطالعہ میں مصروف تھے۔سرسید لائبریری میں داخل ہوئے اور کتابوں

کےہفت خواں طے کرنے والےعلم کے شوقین اور مطالعہ کے دلدادہ شبلی کو دیکھ کر کہنے لگے کہ جایئے آپ کا انٹرویو ہوگیا۔کل سے کام شروع کر دیجئے۔سرسید تین دن تک لائبریری میں بٹھا کر خاموشی کے ساتھ شبلی کے مزاج اور مطالعہ کے شوق کا جائزہ لے رہے تھے۔آج اس زمانہ میں لکچرر کیا لوگ پروفیسر بن جاتے ہیں اور کتاب سے ان کی دشمنی جاری رہتی ہے۔وہ کسی سے ملنے جائیں اور میز پر کوئی کتاب رکھی ہوئی ہو تو ان کے دل میں شوق دید نہیں پیدا ہوتا۔ہوس لمس پیدا نہیں ہوتی۔وہ کتابیں نہیں خریدتے اور کتاب کے سوا ہر چیز خریدتے ہیں۔وہ کتاب کے میلے کے بجائے ٹریڈ فیر جانا پسند کرتے ہیں۔میں نے ایک پروفیسر کو جوٹریڈ فیر دیکھنے علی گڑھ سے دہلی آئے تھے یہ کہا تھا کہ:It is not fair a proessor to go to trade fair شبلی کا انتخاب علی گڑھ یونیورسٹی میں سرسید نے کتابوں سے ان کے والہانہ تعلق کی بنا پر کیا تھا اور لائبریری میں ان کو بٹھا کر ان کے مزاج کا اندازہ کرنے کی کوشش کی تھی۔پھر اس کے بعد کسی رسمی انٹرویو کی ضرورت نہیں باقی رہی۔ شبلی نے علی گڑھ اور سرسید سے استفادہ بھی کیا ہے اور اختلاف بھی کیا ہے۔خود سرسید علامہ شبلی کے اتنے قائل اور معترف تھے کہ جب شبلی نے کتاب الجزیہ لکھی اور یورپ کے اعتراضات کا جواب دیا تو یہ کتاب سرسید کو اس قدر پسند آئی کہ انہوں نے اس کی تعریف میں قرآن کی آیت پڑھی ''فاتوا بسورۃ من مثلہ''،یعنی اس جیسی ایک سورہ بھی پیش کر کے دکھاؤ۔

علامہ شبلی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ عاشق رسولؐ تھے۔عشق رسولؐ سے سرشار تھے۔ان کی کتاب سیرۃ النبیؐ دنیا کی سیرت کی کتابوں میں بہترین کتاب شمار کی جاتی ہے اور تاریخ اور روایت کی صحت کے معیار پر پوری اترتی ہے اور اسی کتاب کی تالیف پر ان کا خاتمہ بھی ہوا۔سیرۃ النبیؐ کے شروع میں یہ اشعار درج ہیں جو حب رسول کے آئینہ دار ہیں۔

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے چندے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

سیرت النبیؐ کے سرنامہ پر یہ تحریر بھی عشق رسول کی غمازی ہے:

''ایک گدائے بے نوا شہنشاہ کونین کے دربار میں اخلاص وعقیدت کی نذر لے کر آیا ہے۔''

زچشمم آستیں بردار و گوہر را تماشہ کن۔ (شبلی)

شبلی نے پہلے المامون لکھی پھر سیرۃ النعمان، الفاروق اور الغزالی تصنیف کی تھی، سوانح مولانا روم لکھی تھی۔ شعر العجم میں داستان شعر رقم کی تھی۔ موازنہ انیس و دبیر لکھ کر نقد کامل عیار کا نمونہ پیش کیا تھا۔ علم الکلام تصنیف کی تھی۔ سیکڑوں تاریخی مقالات لکھ ڈالے تھے۔ جن میں مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، کتاب خانہ اسکندریہ، الجزیہ، اور حقوق الذمیین بڑی اہمیت کے تاریخی مقالات ہیں۔ سب سے آخر میں ان کا رہوار قلم آستانہ نبوت پر پہنچا تھا۔ پھر یہ قلم اسی آستانہ سے وابستہ اور اس کا دامن گرفتہ ہو گیا، پھر اس نے کسی اور طرف کبھی رخ نہیں کیا اور اسی کام سے لگ کر اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ سیرت النبیؐ ایسی کتاب ہے جو مورخانہ تحقیق اور بصیرت کی آئینہ دار ہے۔ اسلوب میں وقار اور متانت اور شائستگی ہے اور تحقیق کا اونچا معیار ہے۔ لیکن جب ظہور قدسی کی ساعت رقم کی جانے لگتی ہے تو جس طرح لاکھوں مسلمان رنگ و روشنی سے گھروں اور محلوں کی آرائش کرتے ہیں اور جشن عید میلاد النبی مناتے ہیں اور عقیدت اور محبت سے سرشار ہو جاتے ہیں اسی طرح شبلی کا قلم بھی ظہور قدسی کے وقت محبت سے سرشار ہو کر رقص کناں ہو جاتا ہے۔ یہ عبارت ملاحظہ ہو:

> ''چمنستان دہر میں بارہا روح پرور بہاریں آ چکی ہیں۔ چرخ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزم عالم اس سروسامان کے ساتھ سجائی ہے کہ نگاہیں خیرہ ہو کر رہ گئی ہیں۔ لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار میں پیر کہن سال دہر نے کروڑوں برس صرف کر دیے۔ سیارگان فلک اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ چرخ کہن مدت ہائے دراز سے اسی صبح جاں نواز کے لیے لیل ونہار کی کروٹیں بدل رہا تھا۔ کارکنان قضا وقدر کی بزم آرائیاں، عناصر کی جدت طرازیاں، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیاں، ابر و باد کی تردستیاں عالم قدس کے انفاس پاک، توحید ابراہیم، جمال یوسف، معجزہ طرازی موسیٰ، جاں نوازی مسیح

سب اسی لیے تھے کہ متاع گراں ارزشہنشاہ کونینؐ کے دربار میں کام آئیں
گے۔

آج کی صبح وہی جاں نواز، وہی ساعت ہمایوں عہد فرخ فال ہے۔ارباب سیر
اپنے محدود پیرایہ بیان میں لکھتے ہیں کہ آج کی رات ایوان کسریٰ کے چودہ
کنگرے گر گئے۔آتش کدہ فارس بجھ گیا۔لیکن سچ یہ ہے کہ ایوان کسریٰ نہیں
بلکہ شان عجم،شوکت روم،اوج چین کے قصرہائے فلک بوس گر پڑے۔آتش
کدۂ فارس نہیں بلکہ جحیم شر،آتش کدہ کفر،آزرکدہ گمراہی سرد ہو کر رہ گئے۔صنم
خانوں میں خاک اڑنے لگی۔بت کدے خاک میں مل گئے۔شیرازۂ مجوسیت
بکھر گیا۔نصرانیت کے اوراق خزاں دیدہ ایک ایک کر کے جھڑ گئے۔توحید کا
غلغلہ اٹھا۔چمنستان سعادت میں بہار آ گئی۔آفتاب ہدایت کی شعاعیں ہر
طرف پھیل گئیں۔اخلاق انسانی کا آئینہ پرتو قدس سے چمک اٹھا''۔

مذکورہ بالا اقتباس پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ شبلی کا قلم وجد انگیز خمار عشق سے سرشار ہو کر رقص کناں ہو گیا ہے اور سکر و سرور اور جذب و مستی کے عالم میں گل ہائے عقیدت اور نذرانہ محبت پیش کر رہا ہے۔قمقموں اور جھنڈوں کی سجاوٹ اور رنگ و نور کے جلووں کی برسات کے ذریعہ عید میلاد النبی کی تقریبات کا مشاہدہ ۱۲/ربیع الاول کے موقع پر لاکھوں انسانوں نے کیا ہے اور ہر سال کرتے ہیں لیکن ظہور قدسی کے موقع پر لفظوں کی ایسی آرائش اور جملوں کی ایسی زیبائش کہ صفحہ کتب جنت نگاہ اور نغمہ حرف فردوس گوش بن جائے اور الفاظ پھول بن جائیں اور جملے پھولوں کا دیدہ زیب ہار بن جائیں، بہت کم لوگوں کے تجربہ میں آئی ہوگی۔شبلی نے سیرت میں ادب کا رنگ اور ادب میں سیرت و تاریخ کا حسن و آہنگ پیدا کیا ہے۔

علامہ شبلی کی فارسی دانی اور فارسی ادب پر ان کے تبحر کا سب سے بڑا ثبوت ان کی کتاب شعرالعجم ہے جس سے بہتر کتاب خود ایران میں نہیں لکھی گئی۔علامہ شبلی کو عربی زبان پر بھی قدرت حاصل تھی جرجی زیدان نے تاریخ التمدن الاسلامی کی پانچ جلدوں میں عربوں کے تمدن و تہذیب کی جب تحقیر کی تو انہوں نے الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی کے نام سے کتاب لکھی جو

عرب دنیا میں بہت مقبول ہوئی۔انہوں نے ''اسکات المعتدی'' کے نام سے بھی ایک عربی کتاب لکھی۔علامہ شبلی جب ترکی اور شام وفلسطین گئے تھے تو وہاں کئی عرب ملے جوان کی یہ کتاب پڑھ چکے تھے۔اب اس زمانہ میں خوبصورت انشاء لکھنے والے اردو کی تدریس سے وابستہ لوگوں میں اور جرائد اور مجلّات کے اہل قلم مدیروں میں بھی نہیں ملتے ہیں۔اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے عربی اور خاص طور پر فارسی کی مہارت نہیں حاصل کی۔خود اردو کے کلاسیکی ادب کے راس المال کی ان کو خبر نہیں۔ان کی اردو زبان گھٹنوں کے بل چلنے والے طفل شیر خوار کے مانند ہوتی ہے۔نہ تمکین و وقار، نہ مستی رفتار، نہ عبارت کی آرائش، نہ جملوں کی زیبائش، وہ صحیح اردو لکھنے پر بھی قادر نہیں ہوتے ہیں۔انشاء کے پھول کھلانا اور مضمون کو روکش گلستاں بنا دینا تو دور کی بات ہے۔

علامہ شبلی محض عالم، ادیب اور مصنف ہی نہیں تھے۔ان کے دل میں قوم کا درد بھرا ہوا تھا۔ان کی تحریریں اور ان کی نظمیں اسی سوز غم کا نتیجہ ہیں۔ان کی طرح روشن خیالی کے ساتھ جذبہ اخلاص اور دینی غیرت رکھنے والے علماء کے طبقہ میں بھی بہت کم ملیں گے۔ان کے بہت سے مقالات واضح طور پر ان کے اس غم کے آئینہ دار ہیں۔مدارس اور ان کے نصاب تعلیم اور قومی ضروریات اور جدید تعلیم کی اہمیت پر مضامین میں انہوں نے مستقبل کے خطرات سے آگاہ کیا ہے اور قعر مذلت سے نکلنے کی تدبیریں بتائی ہیں۔ان کے خیال میں قومی بیداری کے لیے ایسے علماء کا پیدا ہونا ضروری ہے جو نئے حالات کا مقابلہ کرسکیں۔ان کا خیال تھا کہ مدارس کا نصاب زمانہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

انہوں نے انگریزی زبان میں مہارت پیدا کرنے پر بھی زور دیا ہے۔مولانا سید سلیمان ندوی کی مرتب کردہ کتاب حیات شبلی کے چوتھے ایڈیشن کے صفحہ ۲۱-۲۰ پر درج ہے کہ سید سلیمان ندوی صاحب نے شبلی سے دریافت کیا کہ آپ انگریزی تعلیم پر کیوں زور دیتے ہیں؟ تو انہوں نے ایک آہ سرد کھینچی اور فرمایا:

> ''دیکھ رہے ہو کہ نئی تعلیم کس تیزی سے پھیلتی جارہی ہے، اسی کے ساتھ عربی زبان کی تعلیم اعلیٰ مسلمان خاندانوں سے مٹتی جارہی ہے۔اب نئے تعلیم یافتوں کی مذہبی واقفیت کا مدار انگریزوں کی کتابوں اور اسلامی کتابوں کے ترجمے پر رہ

جائے گا۔اس وقت ہمارے مذہبی علوم کی کیا حالت ہوگی۔اب بھی دیکھو جب
غیر مذہبی تعلیم یافتوں کو قرآن پاک کے سمجھنے کا شوق ہوتا ہے تو وہ اپنی پیاس کو
(دوسروں کے) انگریزی ترجموں کے ذریعہ بجھاتے ہیں۔فقہ اسلامی کا مدار
ہدایہ کے انگریزی ترجمہ پر رہ گیا ہے۔کیا یہ کام ہمارے علماء کا نہیں ہے''۔

شبلی کے خیال میں علماء کے طبقہ میں جدید نظریات اور جدید مغربی زبانوں کے ماہرین کا پیدا ہونا ضروری ہے تا کہ اسلام کی دعوت طاقتور اور موثر شکل میں دنیا کے سامنے آسکے۔مستقبل میں عالمی سطح پر اسلامی بیداری کے لیے یہ بہت ضروری کام ہے۔مدارس کے نصاب تعلیم کو اس ضرورت کے مطابق ہونا چاہیے۔علامہ شبلی ندوۃ العلماء میں انگریزی کے ساتھ ساتھ ہندی اور سنسکرت کو بھی نصاب میں داخل کرنا چاہتے تھے اور ان زبانوں کی تعلیم وہ برائے نام نہیں چاہتے تھے بلکہ وہ ان تمام زبانوں میں پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنا چاہتے تھے۔وہ اسے قدیم صالح اور جدید نافع کا عطر مجموعہ بنانا چاہتے تھے۔ہندوستان کے مدارس اسلامیہ جس دن شبلی کی اس فکر کو قبول کرلیں گے اس دن سے حالات کی بہتری کا آغاز ہو جائے گا۔الیاس اعظمی کی کتاب ''متعلقات شبلی'' کمالات شبلی کے کئی اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالتی ہے۔

[خبر دار جدید دہلی،۱۶-۳۰ جون ۲۰۱۰ء ص ۱۵]

ڈاکٹر ابرار اعظمی

سابق صدر شعبہ تعلیمات، مالٹاری پی جی کالج، مالٹاری

علامہ شبلی نعمانی، تحت شعور میں رچا بسا یہ نام سطح شعور پر آیا تو ذہن میں یہ شعر مچلنے لگا:

زباں پہ بارے خدایا! یہ کس کا نام آیا
کہ نطق نے بوسے مری زباں کے لئے

بات کچھ ایسی ہی ہے جن لوگوں نے علامہ شبلی کو ان کی تحریروں کے ذریعہ جانا اور پہچانا ہے ان کے سر فرط عقیدت سے جھک ہی جاتے ہیں۔

علامہ شبلی دنیا کے بیشتر عظیم اشخاص کی طرح کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ ادیب نقاد، مورخ، محقق اور بہت کچھ، لیکن سب سے بڑھ کر وہ سیرۃ النبی جیسی لا ثانی کتاب کے مصنف تھے۔ ان کے علم وفکر اور قلم کا مرکزی محرک صرف ایک تھا سیرۃ النبی۔ علی گڑھ کے زمانہ قیام میں تحریر کردہ رسالہ تاریخ بدءالاسلام سے جس سفر کا آغاز ہوا تھا اس کا اختتام تصنیف سیرۃ النبی پر ہوا۔ دیگر تصانیف ان کے ذہنی سفر کی زادراہ تھیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کو ان کی کاوش ہائے حسنہ پسند آئی تھیں کہ ان کی گراں قدر تصانیف کی نہ صرف مسلسل اشاعتیں ہو رہی ہیں، ان کی جرح وتنقید اور تحسین وستائش ہو رہی ہے بلکہ ان کی فکر کے مختلف گوشوں پر وفات کے بانوے برسوں بعد بھی خامہ فرسائی ہو رہی ہے، معنویت کی بازیافت کی کوششیں ہو رہی ہیں۔

مذکورہ بالا معروضات کی محرک ادنیٰ ایک خوبصورت اور وقیع تصنیف ہے۔ متعلقات شبلی اور اس کے مصنف ہیں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی۔ الیاس صاحب علامہ شبلی کی فکر اور انداز نگارش کے بجا طور پر گرویدہ ہیں اور حق یہ ہے کہ وہ اس کی افہام وتفہیم کا حق کما حقہ ادا کر رہے ہیں۔ بڑی سادگی و پرکاری کے ساتھ۔ مذکورہ کتاب میں چودہ مقالات شامل ہیں جو علامہ کی مختلف علمی وادبی جہات کا بڑے سلیقہ کے ساتھ احاطہ کرتے ہیں۔ عنوانات ملاحظہ ہوں:

(۱) علامہ شبلی ایک عاشق رسول (۲) اردو زبان وادب کے ارتقاء میں علامہ شبلی کا حصہ (۳) تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی (۴) کچھ موازنہ انیس ودبیر کے بارے میں (۵) اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر (۶) علامہ شبلی بحیثیت مدیر (۷) علامہ شبلی کے تاریخی مقالات (۸) علامہ شبلی کی اردو شاعری (۹) تصانیف شبلی کے تراجم (۱۰) علامہ شبلی علی گڑھ میں (۱۱) باقیات شبلی۔ ایک مطالعہ (۱۲) حیات شبلی۔ ایک مطالعہ (۱۳) عالم اسلام میں شبلی شناسی (۱۴) عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت۔ یہ ایسے عنوانات ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ اگر طوالت پیش نظر ہو جو یقینی طور پر عجز بیان کا مظہر ہوتی ہے۔ ایجاز واختصار اعجاز تحریر ہے مگر اس میں ایک خطرہ رہتا ہے کہ اکثر ضروری اور اہم گوشوں پر خاطر خواہ روشنی نہیں پڑتی اور تشنگی کا احساس در آتا ہے۔ میرا خیال ہے کہ دوسرا مقالہ موضوع کے ساتھ انصاف کرتا نظر نہیں آتا۔

الیاس صاحب کا انداز تحریر دل نشیں ہے۔ زبان دبستان شبلی کی ہے۔ صاف ستھری،

ایجاز واختصار نمایاں وصف ہے جو کسی بھی تحقیقی کاوش کے لئے لازمی ہوتا ہے۔ مستند حوالہ جات کی تزئین کاری بھی ہے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ کے بارے میں لکھی جانے والی متعدد اور گوناگوں تحریروں میں یقیناً یہ کتاب ایک خوش گوار اضافہ ہے۔ اگر ہم توقع کریں کہ علامہ شبلی کی زبان و بیان پر ایک جامع اور مبسوط تحقیقی تصنیف ڈاکٹر الیاس الاعظمی کے قلم سے جلد ہی منظر عام پر آئے گی تو شاید غلط نہ ہوگا۔

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

سابق رفیق، دارالمصنّفین اعظم گڑھ

لاریب اردو زبان وادب کی طویل جگمگاتی تاریخ میں علامہ شبلی جیسی جامع الکمالات، متنوع الصفات اور ہمہ جہت شخصیت کی نظیر یکسر مفقود ہے۔ وہ بیک وقت ایک عظیم عالم ومفکر بھی تھے، مایہ ناز مؤرخ ومتکلم بھی اور بلند پایہ ادیب ونقاد بھی، اور سب سے زیادہ وہ ایک ایسے رعنا اور سدابہار اسلوب نگارش کے بانی تھے جس کے تتبع کو ہر اہل قلم تادم حاضر سر بلندی کے ساتھ اپنے مفاخر میں شمار کرتا ہے۔ بلاشبہ ان کے جدت اسلوب اور ندرت تحقیق نے محدود خیالات کو وسعتِ افلاک عطا کی ہے۔ عاجز کی اس رائے میں شمہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ شبلی کے شاداں ورقصاں اسلوب تحریر اور سخن سنجی کا سایہ بھی کسی پر پڑ جائے تو وہ آسمان ادب کا تارا بن جائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ شبلی کی فطرت میں جو شاعرانہ تخیل آرائی اور جمال پسندی تھی اس کی صریر خامہ ان کی نثری تحریروں میں صاف سنائی دیتی ہے۔

شبلی کے نقد ونظر کا کمال اور شاعرانہ ذوق کی بہار دیکھنی ہو تو شعرالعجم کا مطالعہ کریں۔ اس منفرد تصنیف نے اردو ادب کی آبرو بڑھائی اور اس کو رشک ثریا عروج عطا کیا ہے۔ اس کتاب کے اسلوب کی شگفتگی اور رعنائی نے پندرہ سو صفحات کے مطالعہ کو ''گلگشت مصلا'' اور ''آب رکنا باد'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ اسی باعث شبلی کا شمار ہماری ادبی تاریخ کے ان ابطال اور اعیان رجال میں ہوتا ہے جن کے فن وشخصیت پر ریسرچ وتحقیق کا کارواں مسلسل رواں دواں ہے۔ مقام صد مسرت ہے کہ عزیز مکرم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بھی ''متعلقات شبلی'' تالیف کر کے ذخیرہ شبلیات میں

ایک گرانقدر اضافہ کیا ہے، یہ کتاب دراصل موصوف عزیز کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہوکر مقبول ہوئے۔ان میں بعض مضامین بلاشبہ فکر ونظر کے نئے زاوئے روشن کرتے ہیں۔عاجز بے مایہ کو یقین کامل ہے کہ عزیز موصوف کے دیگر ادبی اکتسابات کی طرح پیش نظر کتاب کی عطر بیزی بھی وقف عام ہوگی۔ **وماذٰلك على الله بعزيز۔**

پروفیسر خورشید نعمانی

شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی

متعلقات شبلی ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے ۱۴ تحقیقی وتنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے جو کہ علامہ شبلی جیسی عبقری اور ہمہ گیر شخصیت اور ان کے روشن وتابناک کارناموں پر محیط ہے۔شبلی ایک کثیر التصانیف اہل قلم اور عہد ساز شخصیت تھے۔فارسی کا یہ شعر اس کی بہتر تر جمانی کرتا ہے:

دامان نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار
گل چیں بہار تو ز داماں گلہ وارد

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اپنی اس تصنیف کی ابتداء ''علامہ شبلی۔ایک عاشق رسول'' سے کی ہے۔ایک مسلمان کے لئے اس سے زیادہ خیر وبرکت کی اور کون سی بات ہوسکتی ہے جس کی ابتداء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کی جائے، جس کے نام نامی سے ان کی عقیدت کی کوئی حد پایاں نہ تھی۔شبلیؒ کی تمام تر تحریروں کا سرچشمہ یہی ذات گرامی تھی، جس کی ابتداء رسالہ بدءالاسلام اور جس کی انتہا عالم اسلام کی لافانی تصنیف سیرۃ النبی ہے جو علامہ شبلیؒ کے عشق رسول کا نمونہ اور نذرانہ عقیدت ہے۔بقول شبلی:

زچشم آستیں بردار وگوہر را تماشا کن

دوسرا مقالہ ''اردو زبان وادب کے ارتقاء میں علامہ شبلی کا حصہ'' ہے، جس میں ان کی مقالہ نگاری اور خصوصیت کے ساتھ تاریخی مقالہ نگاری کا ذکر کیا گیا ہے۔بالخصوص مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ، تراجم اور حقوق الذمیین وغیرہ اہم ہیں۔پھر ان کی سوانح

نگاری جو کہ ناموران اسلام پر محیط ہے۔ پھر ان کی تاریخ نگاری کے ضمن میں مہدی افادی کے اس قول کو کہ ''علامہ شبلی تاریخ کے معلم اول تھے۔'' صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جنہوں نے ابن خلدون کے بعد تاریخ کے باقاعدہ اصول وضوابط وضع کئے اور اپنی تصانیف میں ان کی پیروی بھی کی۔ تنقید نگاری کے ضمن میں موازنہ انیس ودبیر اور شعر العجم کی پانچ جلدوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ کلامی ادب کے سلسلے میں علم الکلام، الکلام، الغزالی اور مولانا رومؒ کا ذکر ہے۔ فارسی ادب میں شعر العجم اور تقابلی مطالعہ میں موازنہ انیس و دبیر، سیاسی ادب میں مسلمانوں پر ہونے والی ناروا زیادتیوں، مسلمانوں کی حالیہ سیاست اور ان کی خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ مکتوباتی ادب میں ان کے دونوں مجموعوں (۱) مکاتیب شبلی (۲) خطوط شبلی پر بحث ہے اور عطیہ فیضی کے نام خطوط کا ذکر کیا گیا ہے۔ سیرۃ النبیؐ، سیرت نگاری کا ایک لافانی مرقع ہے۔ اسلوب نگارش کے سلسلے میں شبلی کی تحریروں میں قوت، جوش، تکرار، ایجاز واختصار، طنز وتعریض، شعریت اور نغمگی کو ان کے اسلوب کی نمایاں خوبیاں بتایا گیا ہے۔ شاعری میں کلیات شبلی اردو میں اور فارسی شاعری میں دو مجموعہ غزلیات ''دستہ گل'' اور ''بوئے گل'' کا تذکرہ ہے۔ شبلی بحیثیت مدیر دو رسائل (۱) محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین، علی گڑھ اور (۲) ماہنامہ الندوہ کے مدیر رہے۔ اور اردو ادب کی اہم خدمات انجام دیں۔ پھر انجمن ترقی اردو کے سکریٹری کی حیثیت سے ان کی ناقابل فراموش خدمات کا ذکر ہے، پھر ندوہ میں ان کی رہائش اور کارہائے نمایاں اور پھر دار المصنّفین کو آخری مسکن ٹھہرایا ہے، جو آج بھی قائم ودائم ہے۔

تیسرا مقالہ ''تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی'' ہے۔ گلشنِ ہند شعرائے اردو کا ایک قدیم تذکرہ ہے جو اصلاً علی ابراہیم خاں کے فارسی تذکرہ ''گلزار ابراہیم'' کا ترجمہ ہے، جس میں ۳۲۰ شعرئے اردو کا تذکرہ تھا، لیکن مرزا علی لطف نے اس کے ترجمہ میں صرف ۶۸ شعراء کا ذکر کیا ہے۔ مولانا شبلی نے ''تذکرہ گلشنِ ہند'' کی تصحیح وتحشیہ اور اس کے علاوہ بعض اشعار کے اضافے بھی کئے۔ یہ سب کام حیدرآباد میں ہوا مگر علامہ شبلی ۱۹۰۴ء میں حیدرآباد چھوڑ کر ندوۃ العلماء لکھنؤ منتقل ہو گئے اور یہ کتاب لوگوں کے سامنے نہ آسکی۔ بعد میں مولوی عبدالحق نے اپنے مقدمے کے ساتھ اسے شائع تو کیا مگر علامہ شبلیؒ سے بغض للٰہی کے سبب مولانا شبلی کے اس تذکرہ سے متعلق خدمات

کا اعتراف تو کجا ذکر تک کرنا گوارا نہ کیا، تحقیقی بددیانتی کی یہ ایک کریح مثال ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی کا یہ مضمون ان کی تحقیقی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔

چوتھا مقالہ ''کچھ موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں'' ہے۔ یہ مضمون ڈاکٹر فیضان کے ماہنامہ ''الرشاد'' فروری ۲۰۰۸ء کے شمارے میں شائع شدہ ''موازنہ انیس و دبیر کے طبع جدید (اپریل ۲۰۰۴) کا موازنہ'' ایک مخطوطہ نیشنل میوزیم دہلی سے کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ مطبوعہ اور محفوظہ نسخہ میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ طبع جدید کو ڈاکٹر الیاس اعظمی نے ایڈٹ کیا ہے اور انہوں نے ڈاکٹر فیضان کے نقطۂ نظر کو خارج کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ طبع جدید (۲۰۰۴) دراصل مولانا شبلی کے پہلے ایڈیشن ۱۹۰۷ء پر مبنی ہے جو کہ صحیح ہے اور ڈاکٹر فیضان کا مضمون موازنہ انیس و دبیر کے پہلے نا تمام اور ناقص مسودہ پر مبنی ہے جس کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

پانچواں مقالہ ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر (بعض اعتراضات کا جائزہ)'' ہے۔ یہ مضمون جناب سید عزیز الدین حسین ہمدانی کے ایک مضمون کا مدلل جواب ہے۔ شبلی کا یہ مضمون ہر لحاظ سے جامع اور تاریخی شواہد پر مبنی ہے۔ یہ ایک طویل مضمون ہے۔ جناب عزیز الدین حسین کا مضمون دراصل مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ایک مضمون پر مبنی ہے جس میں مولانا آزاد کو شبلی کے چند بیانات سے اختلاف تھا، وہی صاحب مضمون کا مرجع ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی نے مولانا آزاد کی تحریروں اور اس پر مبنی جناب عزیز الدین کے مضمون کے عائد کردہ ہر نکتہ کا مدلل جواب دیا ہے اور ہمدانی صاحب کے معروضات کو پوری طرح سے رد کر دیا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر الیاس اعظمی کی تحقیقی بصیرت اور عالمانہ ژرف نگاہی نمایاں ہے۔

چھٹا مقالہ ''علامہ شبلی بحیثیت مدیر'' ہے۔ اس کا ذکر ڈاکٹر اعظمی کے اسی کتاب کے باب دو میں آچکا ہے۔

ساتواں مقالہ ''علامہ شبلی کے تاریخی مقالات'' پر مبنی ہے، جس میں (۱) حضرت اسماء و ہند (۲) المعتزلہ والاعتزال (۳) ابن رشدؒ (۴) ابن تیمیہؒ (۵) موبدان مجوس ہندوستان میں (۶) زیب النساء (۷) مولوی غلام علی آزاد بلگرامی (۸) فرید وجدی بک (۹) تراجم (۱۰) کتب

خانہ اسکندریہ (۱۱) اسلامی کتب خانے (۱۲) اسلامی حکومتیں اور شفا خانے (۱۳) ہندوستان میں اسلامی حکومت کے تمدن کا اثر (۱۴) مسلمانوں کی علمی بے تعصبی (۱۵) الجزیہ (۱۶) حقوق الذمیین (۱۷) مکینکس اور مسلمان (۱۸) تجارب الامم ابن مسکویہ (۱۹) ہمایوں نامہ (۲۰) مآثر رحیمی (۲۱) جہانگیر اور تزک جہانگیری پر مشتمل ہے اور بعد میں مقالات کی چند نمایاں خصوصیات گنائی ہیں۔

آٹھواں مقالہ شبلی کی اردو شاعری ہے۔ علامہ شبلی ایک قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ کلیات شبلی ان کا اردو مجموعہ کلام ہے۔ انہوں نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثنوی صبح امید مرثیہ اسحاق، قصیدہ سید محمود، غزل، رباعی، قطعہ وغیرہ اس میں شامل ہیں۔ مولانا شبلی اصلاً نظموں کے شاعر تھے۔ انہوں نے مذہبی، اخلاقی اور تاریخی نظمیں کافی لکھی ہیں۔ سیاسی نظمیں بھی لکھی ہیں، ان سب کی مثالیں پیش کی گئی ہیں۔

نواں مقالہ ''تصانیف شبلی کے تراجم''، مولانا شبلی کی گراں قدر تصانیف کے ہندوستانی اور غیر ملکی زبانوں کے تراجم کے تعارف پر مشتمل ہے۔ اس میں تاریخ بدء الاسلام، سیرۃ النعمان، الفاروق، علم الکلام، الغزالی، سوانح مولانا رومؒ، شعر العجم، سیرۃ النبیؐ سب کے متعدد تراجم کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، الجزیہ، کتب خانہ اسکندریہ، الانتقاد علیٰ تاریخ التمدن الاسلامی، تزک جہانگیری کے بھی ترجمے ہوئے۔

دسواں مقالہ ''علامہ شبلی علی گڑھ میں''، علامہ شبلی کو کلی طور سے سمجھنے کے لئے یہ باب بہت اہم ہے۔ علی گڑھ پہنچ کر سرسید سے ابتدائی تعلقات، کالج میں عربی و فارسی کا ذوق، کالج میں درس قرآن، شعر و شاعری، تصنیف و تالیف کا ذوق اور پھر مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، المامون، سیرۃ النعمان، سفرنامہ روم و مصر و شام، مجموعہ نظم شبلی، رسائل شبلی، الفاروق، وغیرہ علی گڑھ کی دین ہیں۔

گیارہواں باب ''باقیات شبلی'' ہے۔ اس کتاب میں ٦ مضامین، تین خطبے اور ٦۷ خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط ہندوستان کے عمائدین کے نام ہیں۔ انجمن ترقی اردو ہند کی روداد بھی اس میں شامل ہے۔

بارہواں مقالہ ''حیات شبلی۔ ایک مطالعہ'' ہے۔ مولانا شبلیؒ کی یہ گرانقدر سوانح عمری سید سلیمان ندوی کی تالیف ہے۔ دیباچہ میں اور اس کے فوراً بعد ۲۵ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ

ہے، جس میں دیار پورب اور خطہ اعظم گڑھ کی پوری تاریخ آ گئی ہے، پھر مولانا کے حالات زندگی ابتداء سے آخر تک تفصیل سے آ گئے ہیں۔ علامہ شبلی کی متنوع و گوناگوں شخصیت اور ان کے کارناموں پر جو علمی و تحقیقی کتابیں اور مضامین لکھے گئے ان سب کا مرجع و ماخذ حیات شبلی ہی ہے۔ اس ضخیم اور پر از معلومات سوانح عمری کا مقابلہ مولانا حالیؒ کی زندہ جاوید کتاب ''حیات جاوید'' سے کیا جا سکتا ہے۔

تیرہواں مقالہ ''عالم اسلام میں شبلی شناسی'' ہے۔ شبلی شناسی کی ابتداء دراصل سرسید کے مقدمہ ''المامون'' سے ہوئی تھی، شبلی کو بلاد اسلامیہ سے خصوصاً بڑی دلچسپی تھی۔ ترکی سے ان کی دلچسپی خلافت کے سبب تھی۔ مصر ایک بڑا اہم علمی مرکز تھا۔ ایران سے ان کی دلچسپی کا اندازہ شعرالعجم سے کیا جا سکتا۔ خطہ عرب تو مسلمانوں اور اسلام کا مولد و مسکن ہے۔ وہ شعرالعرب بھی لکھنا چاہتے تھے، لیکن نہ لکھ سکے۔ انہوں نے الفاروق کا مواد جمع کرنے کے لئے مصر، روم و شام کا سفر کیا اور ان کے کتب خانوں سے فیضیاب ہوئے۔ افغانوں سے بھی شبلی کی دلچسپی بے پایاں تھی۔

چودہواں مقالہ ''عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تحریروں اور منصوبوں کی معنویت'' بھی ایک اہم مضمون ہے۔ مولانا شبلی جیسی فعال و سرگرم شخصیت اردو کے علمی و ادبی حلقے میں کوئی دوسری نہیں ملے گی۔ وہ ہمہ وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے سوچتے رہتے تھے۔ تجویزیں پیش کرتے تھے اور منصوبے بنایا کرتے تھے اور ان سب میں وہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار بھی ہوئے۔ ان کا آخری شاہ کار دارالمصنّفین ہے اور اس کا ماہانہ آرگن ''معارف'' جو آج بھی زندہ و تابندہ ہے۔ مولانا شبلی کے کارناموں کی معنویت جس قدر ان کے سامنے تھی اسی قدر آج بھی ہے، مسلمان جس طرح مشکلات سے دوچار علامہ شبلی کے زمانے میں تھا آج بھی ہے۔ نوعیتیں بدل گئی ہیں مگر فضا تقریباً یکساں ہے اور ان سے علامہ شبلی کے افکار و خیالات ہی سے نپٹا جا سکتا ہے۔ یہ مضمون بھی بہت اہم ہے۔

ڈاکٹر اعظمی کی کتاب کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہے کہ علامہ شبلی اسلامیان عالم سے دلچسپی رکھتے تھے۔ مذہب سے شغف رکھتے تھے۔ مسلمانوں کی تعلیم پر زور دیتے تھے۔ علم و عمل کا سراپا پیکر تھے۔ قاموسی شخصیت کے مالک تھے۔ ڈاکٹر اعظمی نے اس مختصر کتاب میں دریا کو کوزہ

میں بھرنے کا کام کیا ہے۔ان کی یہ تصنیف مولانا شبلی کے تمام اہم پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔اگر ایک مبتدی مولانا شبلیؒ کے بارے میں کم وقت میں بہت کچھ تفصیل سے جاننا چاہے تو اسے اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ڈاکٹر الیاس الاعظمی کا تعلق ہر چند کہ دارالمصنّفین سے بحیثیت رفیق نہیں ہے لیکن شبلیات پر ان کی گہری نظر اور وسیع معلومات کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ان کی جگہ اصلاً کسی یونیورسٹی و کالج کی مسند نشینی ہو سکتی ہے یا سب سے اہم دارالمصنّفین کی بوریہ نشینی۔

ڈاکٹر اعظمی کی تحریر سادہ و دلکش ہے۔ان کے لہجہ میں متانت و سنجیدگی جاری وساری ہے۔ان کے دو تین مضامین جو کہ در جواب آں مضمون لکھے گئے ہیں ان میں میانہ روی اور اعتدال پسندی پائی جاتی ہے۔ان کے لب و لہجہ میں کہیں تلخی اور کڑواہٹ نظر نہیں آتی۔امید ہے ''متعلقات شبلی'' کی علمی و ادبی حلقوں میں خاطر خواہ پذیرائی ہوگی اور مصنف کو اس کی محنت شاقہ کی جس کی وہ قرار واقعی مستحق ہے داد ملے گی۔[سہ ماہی نئی کتاب، دہلی، جنوری۔مارچ ۲۰۰۸ء، ص ۲۱۳-۲۱۷]

ڈاکٹر سیّد معصوم رضا عشروی

استاذ: سینئر سکنڈری اسکول، دہلی

اردو زبان و ادب میں خشک اور سنگلاخ موضوعات پر قدرے کم تحقیقی کام ہو رہے ہیں۔زیادہ تر سمینار اور سمپوزیم شعرا کے حوالے سے منعقد کیے جا رہے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اردو میں ایسے محققین کی کمی ہوگئی ہے جو اوریجنل ورک پر توجہ مرکوز کرتے ہیں، خشک موضوعات میں تلاش و تحقیق، مواد کی عدم فراہمی اور رہنمائی جیسے مشکلات سے دوچار ہونا لازمی ہے۔تنقید و تحقیق کے ضمن میں علامہ شبلی نعمانی کے حوالے سے چند گراں قدر حضرات کی فہرست میں ایک معتبر نام ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ہے۔ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کی تازہ ترین تصنیف 'متعلقات شبلی' ایک اہم اضافہ ہے۔علامہ شبلی نعمانی سے متعلق مصنف کی دیگر تصانیف بھی زیر طبع ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب ''متعلقات شبلی'' ۲۰۸ صفحات پر مشتمل ہے، جس میں تبریک کے عنوان سے پروفیسر عبدالحق، حرف چند کے عنوان سے ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی اور مقدمہ کے عنوان سے

شمیم طارق کے نثری تاثرات شامل ہیں۔ اس کے علاوہ منظوم تاثرات کے عنوان سے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی کی ایک نظم بھی شامل کتاب ہے۔ دیباچہ کے عنوان سے خود مصنف نے کتاب کی غرض و غایت پر اظہار خیال کیا ہے۔ اس کے دوسرے حصے میں علامہ شبلی نعمانی سے متعلق چودہ مقالات شامل کتاب ہیں، جس میں علامہ شبلی ایک عاشق رسول، تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی، کچھ موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں، اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر، اردو زبان کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ، کے علاوہ شبلی بحیثیت مدیر، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات، شبلی کی اردو شاعری، تصانیف شبلی کے تراجم، علامہ شبلی علی گڑھ میں، باقیات شبلی ایک مطالعہ، حیات شبلی۔ ایک مطالعہ، عالم اسلام میں شبلی شناسی، علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کے معنویت اور آخر میں کتابیات شامل ہے۔ متعلقات شبلی کے بارے میں مصنف یوں رقم طراز ہیں:

> ''متعلقات شبلی'' میری مستقل تصنیف نہیں بلکہ یہ میرے ان مضامین و مقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور بعض سمیناروں میں پڑھے گئے، اہل علم نے سراہا اور مفید قرار دیا۔ دو جوابی مضامین ہیں، جس میں علامہ شبلی کے تعلق سے بعض غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور علامہ شبلی کے موقف کی صداقت واضح کی گئی ہے''۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی نعمانی کے ادبی اور مذہبی موضوعات سے متعلق ہر پہلو کو متعلقات شبلی میں شامل کر کے قارئین کو ایک مستند کتاب کا نذرانہ پیش کیا ہے، جس کے ہر باب میں علامہ شبلی کی ایک الگ شخصیت کی ترجمانی کی گئی ہے۔ شبلی کے تمام ادبی پہلوؤں کا محاکمہ کر کے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے اردو ادب کے تحقیقی خزانے میں جو گراں قدر اضافہ کیا ہے وہ قابل ستائش ہے۔ علامہ شبلی بذات خود ایک بحر بیکراں تھے، ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے اس بحر بیکراں کو کوزے میں اس سلیقے سے بند کیا ہے کہ اس کے قطرے قطرے سے مصنف کی عرق ریزی عمیق مطالعے اور فکری بصیرت کا بخوبی احساس ہوتا ہے۔ کتاب اپنے باطنی حسن کے ساتھ ظاہری حسن سے بھی آراستہ ہے۔ امید کہ ادبی حلقوں میں اس کتاب کو دستاویزی حیثیت کا درجہ ضرور ملے گا۔

[ہماری زبان ۸تا۱۴ر مئی ۲۰۰۹ء صفحہ نمبر ۶]

مولانا عمیر الصدیق ندوی

رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ

حق نگار قلم نے لکھا کہ ''شبلی کے قلم کی ساحری اور دل نوازی سے بے نیازی ممکن نہیں۔'' علامہ شبلی کے صاحب کمال ہونے میں کس کو شبہ ہے، حق یہ ہے کہ ان کا مطالعہ اور ان کے فکر و قلم کا تجزیہ کرنے والوں میں بھی جمال ہم نشیں کا اثر صاف کارگر نظر آتا ہے۔ اس کتاب کے نوجوان مصنف کو شبلی کے مطالعہ اور کسی حد تک تجزیے کی سعادت نصیب ہے۔ زیر کتاب میں ان کے چودہ مضامین ہیں۔ علامہ شبلی ایک عاشق رسول سے عالم اسلام میں شبلی شناسی تک موازنہ انیس و دبیر اورنگ زیب عالم گیر، اردو و زبان و ادب کے ارتقا، ان کی ادارت، شاعری، منصوبے وغیرہ موضوعات پر محنت و تحقیق سے لکھے گئے ان مضامین میں شبلی کے افکار کی تجدید و تشکیل و تعبیر کی کوشش خاص طور پر قابل داد ہے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان تحریروں سے شبلی کے مزید مطالعے کا جذبہ جہاں بیدار ہوتا ہے وہیں نئے انداز سے شبلی کو جانچنے کی رہبری بھی ملتی ہے۔ بقول ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی ''بعض مضامین بلا شبہ فکر و نظر کے نئے زاویے وا کرتے ہیں۔'' اورنگ زیب عالم گیر پر سید عزیز الدین حسین ہمدانی کے اعتراضات کا جائزہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس میں مطالعہ اور بصیرت کا بہترین امتزاج ہے۔ لائق مصنف کے زاویہ نظر کے اعتدال و توازن اور تحریر کی پختگی و دل کشی کی داد پہلے بھی اہل نظر نے دی ہے اور یہ مجموعہ مضامین بھی اس داد کا پورا مستحق ہے۔

[ماہنامہ معارف جون ۲۰۰۹ء صفحہ ۴۷۹-۴۸۰]

نسیم عباسی

علم و ادب کی دنیا میں کچھ نام ایسے مقبول اور معتبر ہیں کہ سامنے آتے ہی غالب کا ''زباں پہ بارِ خدایا'' والا شعر آجاتا ہے۔ اور ان کے تعلق سے جو بھی تحریر ہو اپنی طرف متوجہ کرتی

ہے۔ علامہ شبلی بھی اردو دنیا کی ایسی ہی عظیم المرتبت شخصیت ہیں۔ زیرنظر کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی صاحب نے یہ کوشش کی ہے کہ علامہ کی کیثر جہتی تحریروں، ان کے مزاج اور افکار کا مکمل مگر مختصر جائزہ پیش کیا جائے۔

کتاب میں مختلف عنوانات کے تحت ۱۴ رمضامین ہیں جو شبلی کے کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں۔ جیسے علامہ شبلی: ایک عاشق رسول، اردو زبان کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ، علامہ شبلی بحیثیت مدیر، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات وغیرہ ان مضامین میں تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی، اورنگ زیب عالم پر ایک نظر (بعض اعتراضات کا جائزہ) اور عالم اسلام میں شبلی شناسی بطور خاص ایسے مضامین ہیں جو عام قارئین کی معلومات میں نہ صرف اضافہ کرتے ہیں بلکہ مولانا کے تاریخی شعور اور قوم وملت سے ان کے دردمندیوں پر روشنی بھی ڈالتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بلاشبہ یہ ایسے کام ہیں جن کی ضرورت کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ مصنف نے کتاب کا آخری باب ''عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت'' میں اس کی طرف اشارہ کر کے اپنے شعور اور بالغ نظری کا ثبوت دیا ہے۔

یوں تو مولانا شبلی اور ان کی تصانیف کے سلسلے میں عام معلومات مختلف مضامین اور کتابوں کے ذریعہ سہل الحصول ہیں لیکن الیاس اعظمی نے علامہ کی تحریروں پر کئے گئے اعتراضات اور اعترافات کی روشنی میں جو نتائج اخذ کیے ہیں اور انہیں جمع کرنے میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے اس کے لئے وہ یقیناً داد کے مستحق ہیں۔ یہ متعلقات ہی ان کی کتاب کو کارآمد بناتے ہیں، اس کی افادیت میں اضافہ اور دوسری تحریروں سے اسے ممتاز کرتے ہیں۔ امید کہ مصنف کی یہ کاوش بھی عوام اور خواص کی نگاہ میں یکساں طور پر مقبول ہوگی۔

[ششماہی جہان غالب، نئی دہلی ص ۱۰۱]

عاصم رضوی

علامہ شبلی کے تحقیقی وتنقیدی اکتسابات کو محیط چودہ مضامین پر مشتمل اس کتاب میں

مطالعہ کا تجزیاتی انداز اپنایا گیا ہے۔تاہم ان مضامین کی افادیت ان کے تحقیقی اور معلوماتی ہونے میں مضمر ہے۔ان مضامین کے وسیلے سے چند ایسے حقائق منکشف ہوتے ہیں جن تک عام قارئین کو رسائی حاصل نہیں تھی۔اس ذیل میں مضمون ''تصانیف شبلی کے تراجم'' کا ذکر کرنا ناگزیر ہے۔علامہ اقبال کے بعد شبلی اردو کے غالبًا ایسے تنہا مصنف ہیں جن کی تمام تصانیف کے تراجم متعدد قومی اور بین الاقوامی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔اس مضمون میں مصنف نے ان تراجم کا مفصل جائزہ لیا ہے اور ان کے بارے میں چند منفرد پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔اس کے علاوہ علامہ شبلی بحیثیت مدیر، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات اور عالم اسلام میں شبلی شناسی وغیرہ مضامین بھی بے حد معلوماتی ہیں۔اس طرح کے ایک اور مضمون میں مصنف نے مرزا علی لطف کے تذکرہ گلشن ہند کی تدوین کے حوالہ سے علامہ شبلی کی تحقیقی اور تدوینی صلاحیتوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، واضح ہو کہ علامہ نے گلشن ہند کی تصحیح کرنے اور توضیحی حواشی سپرد قلم کرنے کے علاوہ اس تذکرہ کی تدوین واشاعت میں کلیدی کردار ادا کیا تھا لیکن اس تذکرہ کے مرتبین نے علامہ شبلی کی کاوشوں کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

کتاب میں شامل چند مضامین کی نوعیت جواب الجواب کی ہے۔مثلاً کچھ موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں، اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر وغیرہ میں مصنف نے انیس اور اورنگ زیب عالم گیر کے متعلق شبلی کے موقف کو ہدف تنقید بنانے والے معترضین کا جواب دیا ہے اور شبلی کی ان تصانیف کی اہمیت ووقعت کا اثبات کرنے کو کوشش کی ہے۔

کتاب کا پہلا مضمون ''علامہ شبلی - ایک عاشق رسول'' اپنی طرح کا ایک منفرد مضمون ہے جس میں مصنف نے شبلی کے نعتیہ کلام اور سیرت النبیؐ کے حوالہ سے رسول اکرم کی ذات سے شبلی کے والہانہ عشق کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔اس مضمون کی اہمیت میں کوئی کلام نہیں، لیکن یہ احساس ضرور ہوتا ہے کہ مصنف نے علامہ کے نعتیہ کلام کا جائزہ اس عہد کی نعت گوئی کے غالب رجحانات کے تناظر میں کیا ہوتا تو علامہ کے طرز احساس کی انفرادیت کو اور زیادہ واضح کیا جا سکتا تھا۔مطالعہ کی اسی تجزیاتی اور تقابلی نہج کے فقدان کا احساس شبلی کی اردو شاعری والے مضمون میں بھی ہوتا ہے۔اس مضمون میں شعری تخلیقات کا مطالعہ موضوعاتی پس منظر اور اضافی

تخصیص ہر دو لحاظ سے مختلف عنوانات کے تحت کیا گیا ہے لیکن کلام شبلی میں پائے جانے والے سیاسی اور سماجی طنز کو جو ان کی اردو شاعری کی حد تک ان کی شاعرانہ انفرادیت کی بنیاد ہے، موضوع بحث نہیں بنایا گیا۔ اس کے باوجود کہ چند تحریریں اپنے موضوع کا تمام و کمال احاطہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو پائیں، کتاب میں شامل بیشتر مضامین اپنی علمی و تحقیقی افادیت کے بموجب ہماری توجہ کے مستحق ہے۔

[ماہنامہ آج کل ستمبر ۲۰۰۹ء ص ۴۴]

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر: سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

زیر نظر کتاب دارالمصنّفین اعظم گڑھ کی تاریخ اور اس کے وابستگان کی سوانح کے معتبر مصنف ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے چند تحقیقی و تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے، جو بعض سیمیناروں میں پڑھے گئے اور ملک و بیرون ملک کے معیاری علمی مجلّات میں شائع ہوئے تھے۔ ان مقالات سے علامہ شبلی کی شخصیت، تصانیف اور افکار و خیالات کا ایک جامع مرقع قاری کے سامنے آجاتا ہے۔

یہ کتاب ۱۴ مضامین پر مشتمل ہے۔ ان سے شبلی کی شخصیت اور علمی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، مثلاً ان سے سیرت نبوی سے ان کی والہانہ عقیدت اور عشق رسول کا انکشاف ہوتا ہے۔ اردو زبان و ادب میں ان کا مقام اور ان کی اردو شاعری کی قدر متعین ہوتی ہے۔ ان کی مورخانہ حیثیت واضح ہوتی ہے۔ قدیم متون کی تصحیح و تدوین کے سلسلے میں ان کے طریقۂ کار علم ہوتا ہے۔ بعض مقالات میں ان کی تصانیف اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر، موازنہ انیس و دبیر اور ان کی سوانح حیات شبلی پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ ایک مضمون میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں کہ ان کی تصانیف کے دنیا کی کن کن زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ ایک مضمون عالم اسلام میں شبلی شناسی کا تعارف کراتا ہے۔ ایک مضمون میں علی گڑھ کے زمانۂ قیام میں ان کی علمی سرگرمیوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس مجموعہ کا آخری مضمون عہد حاضر میں علامہ شبلی کی

تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت بھی بہت اہم ہے۔اس میں شبلی کے ان منصوبوں اور تجاویز کا تذکرہ کیا گیا ہے جواب بھی تشنۂ تکمیل ہیں اور انھیں شرمندۂ تعبیر کرنے کی ضرورت ہے۔

علامہ شبلی کی شخصیت، افکار اور علمی و ادبی خدمات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔اس کے باوجود اس کتاب کی انفرادیت نمایاں ہے۔اس میں ان کی شخصیت کے جن پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے اور جو معلومات فراہم کی گئی ہیں ان کی جانب اہل قلم نے کم توجہ دی ہے۔اس بنا پر یہ کتاب شبلی سے متعلق ذخیرے میں ایک قابل قدر اضافہ ہے۔

[سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ جولائی-ستمبر ۲۰۰۹ص نمبر ۱۱۷]

ڈاکٹر سفیر اختر

مدیر نقطہ نظر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی گذشتہ دس بارہ برس سے پورے تسلسل کے ساتھ علامہ شبلی نعمانی (م: ۱۹۱۴ء) اور دبستان شبلی کے سربرآوردہ قلم کاروں کی سوانح حیات اور خدمات پر لکھ رہے ہیں۔علامہ شبلی کی تین تصنیفات ''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر''، موازنہ انیس و دبیر'' اور ''شعرالعجم'' [حصہ چہارم] کے نئے ایڈیشن دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے ان کی تصحیح وتحقیق کے ساتھ شائع کیے ہیں۔ان کے دو مطالعات ''علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ'' اور ''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کی جانب سے پیش کیے گئے ہیں۔''شاہ معین الدین احمد ندوی حیات وخدمات'' اور ان کے مجموعہ مضامین ''مطالعات ومشاہدات'' میں شامل متعدد منتسبین ندوۃ العلماء کے شخصی خاکے ''دبستان شبلی'' کی تصنیفی خدمات ہی کا حصہ ہیں۔ ندوۃ العلما کے ایک فاضل اور دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے سابق رفیق مولانا مجیب اللہ ندوی کے حوالے سے ان کا کام (کاروان رفتگاں کی تدوین اور اشاریہ ماہنامہ الرشاد کی ترتیب) بھی بالو سطہ اسی سلسلے کی کڑی ہے۔متعلقات شبلی ان کی تازہ پیشکش ہے، جس میں انہوں نے علامہ شبلی سے متعلق اپنے ۱۴ رمتفرق مقالات یکجا کیے ہیں۔ان میں سے زیادہ تر مقالات برصغیر پاکستان وہند

کے وقیع مجلّات میں شائع ہو چکے ہیں، اور بحیثیت مجموعی پسند کیے گئے ہیں۔ مقالات کی تفصیل یہ ہے: علامہ شبلی: ایک عاشق رسولؐ، اردو زبان وادب کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ، تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی، کچھ موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر (بعض اعتراضات کا جائزہ)، علامہ شبلی بحیثیت مدیر، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات، شبلی کی اردو شاعری، تصانیف شبلی کے تراجم، علامہ شبلی علی گڑھ میں، باقیات شبلی ایک مطالعہ، حیات شبلی ایک مطالعہ، عالم اسلام میں شبلی شناسی، عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی علامہ شبلی کے عقیدت مندوں میں سے ہیں۔ ان کی رائے میں علامہ شبلی نے اپنی متنوع تصنیفات کی شکل میں ''نہ صرف دامن اردو کو موتیوں سے بھر دیا بلکہ اسے نئی جہتوں اور بلندیوں سے آشنا کیا اور اسے ایک علمی زبان کا درجہ عطا کیا اور اس لائق بنا دیا کہ ہم دنیا کی بہترین زبانوں کے مقابلہ میں اسے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں۔'' (ص۳۵) مزید بر آں ''گذشتہ صدی میں (برصغیر پاکستان و ہند کے) مسلمانوں میں تحقیق و تدقیق، تلاش و تفحص اور مختلف علوم وفنون سے جو شیفتگی پیدا ہوئی، اس میں بالواسطہ فیضان شبلی کا بڑا دخل ہے۔'' (ص ۸۰) علامہ شبلی کے اس کارنامے کو دیکھتے ہوئے توقع تو یہ کی جاتی تھی کہ ان کے فکر و دانش کی تفہیم و توسیع کے لیے خوب کام کیا جاتا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ ڈاکٹر اعظمی کے مطالعے کی روشنی میں ''ایک صدی کے عرصے میں تقریباً دو درجن کتابیں، چار سو کے قریب مضامین و مقالات اور آٹھ رسائل کے خصوصی شمارے شبلی شناسی کی کل کائنات ہے۔'' (ص۱۵)

بلاشبہ علامہ شبلی کے سرمایۂ دانش اور ذخیرۂ ادب پر اس طرح کا کام نہیں ہوا، جس طرح کا علامہ محمد اقبال اور غالب پر ہوا ہے، جس کی اپنی وجوہ ہیں، تاہم علامہ شبلی کچھ ایسے عدم اعتنا کا بھی شکار نہیں رہے۔ ان کی بعض تصنیفات کے درجنوں ایڈیشن چھپے ہیں اور مسلسل چھپ رہے ہیں۔ مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں اور ان کے انداز تالیف اور فکری زاویوں کے مطابق متعدد اہل قلم نے ہزارہا صفحات قلم بند کیے ہیں۔ علامہ شبلی ایک فرد نہیں، ایک دبستان کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی نے بابائے اردو مولوی عبدالحق کی شبلی دشمنی کی بناء پر ان کی بہ تکرار

گرفت کی ہے۔اس گرفت میں علامہ شبلی کی بے جا عقیدت مندی ہی شامل نہیں ہے بلکہ گذشتہ صدی کی اشاعتی دنیا کی شہادت بھی ان کے حق میں ہے۔مولوی عبدالحق کس قدر غلط تھے جب انہوں نے ''خطوطِ شبلی'' کا مقدمہ لکھتے ہوئے کہا تھا کہ ''مولانا شبلی کی تصانیف کو ابھی سے لونی لگنی شروع ہوگئی ہے اور کچھ مدت کے بعد وہ صرف کتاب خانوں میں نظر آئیں گی۔'' ڈاکٹر اعظمی نے علامہ شبلی کے مرتبہ ''تذکرہ گلشن ہند'' (تالیف مرزا علی خاں لطف) کے انداز ترتیب و تحقیق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے اس پر مولوی صاحب کے مقدمے کی محتویات پر بھی گرفت کی ہے۔

''متعلقاتِ شبلی'' کے یوں تو سبھی مضامین معلومات افزا ہیں، تاہم ''تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی'' کے ساتھ ''تصانیف شبلی کے تراجم''، عالم اسلام میں شبلی شناسی'' اور ''عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت'' خاصے کی چیز ہیں۔ان مقالات میں منتشر اور ریزہ ریزہ معلومات بہت محنت سے جمع کی گئی ہیں۔

نومبر۲۰۱۴ء میں اب چار برس سے بھی کم عرصہ رہ گیا ہے۔یقیناً علامہ شبلی نعمانی کی صد سالہ برسی کے موقع پر تقریبات کا اہتمام کیا جائے گا۔ان مقالات میں ڈاکٹر اعظمی نے دو کاموں کی طرف توجہ دلائی ہے۔علامہ شبلی کے مکتوبات ،خطبات اور مقالات کی ترتیب و تدوین کا فریضہ سید سلیمان ندوی نے ۱۹۴۰ء سے پہلے انجام دیا تھا، مگر ان کی مرتبہ جلدوں کی دوسری اور تیسری اشاعتوں کے بعد بھی ان میں کوئی اضافہ نہیں ہوا۔ڈاکٹر اعظمی نے ''باقیاتِ شبلی'' (مرتبہ مشتاق حسین) کے تعارف میں لکھا ہے:

> ''باقیاتِ شبلی'' ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی ،اس کے بعد بھی علامہ شبلی کی بعض تحریریں دریافت ہو کر شائع ہوئیں ،ان تمام تحریروں کو مولانا سید سلیمان ندوی کے مرتب کردہ مقالات و خطبات اور مکاتیب میں شامل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ یکجا ہو جائیں اور مطالعہ شبلی میں ان سے بھرپور استفادہ کیا جاسکے۔(ص ۱۵۴)

اسی طرح علامہ شبلی کے مکمل کلیات کے ترتیب کی جانب بایں الفاظ توجہ دلائی گئی ہے۔

> ان [علامہ شبلی] کے اردو کلام کے کئی ناقص مجموعے شائع ہوئے ،ان میں ''کلیاتِ شبلی'' مرتبہ مولانا سید سلیمان ندوی سب سے زیادہ جامع اور مکمل ہے

لیکن اس میں بھی ان کے ابتدائی دور کی غزلیں شامل نہیں ہیں ۔ چوں کہ علامہ
شبلی نے اپنے ابتدائی کلام کو زمانہ جاہلیت کی یادگار بتا کر رد کر دیا تھا، غالباً اسی بنا
پر مولانا سید سلیمان ندوی نے اسے کلیات میں شامل نہیں کیا ... .
ان کے ایک مکمل کلیات کی ترتیب وتدوین نو کا کام باقی ہے۔(ص۱۱۰)

''متعلقات شبلی'' کا طباعتی معیار بہت عمدہ ہے۔البتہ کتابت کی اکادکا اغلاط کھٹکتی ہیں۔ ہیسٹنگ (ص ۴۹،ہیسٹنگز) اشاعرہ (ص ۵۱ ،اشارہ) ، بالواستہ (ص ۸۰، بالواسطہ) انجام (ص ۹۵،انجان)اورابوالفرج ملنی (ص ۹۸، ابوالفرج بن عبری)۔ان میں سے چندایک ہیں۔صفحہ۵۲ (سطر۱۰) پر''مثنوی گلزارنسیم'' کی جگہ مثنوی سحرالبیان'' لکھا جانا اورصفحہ ۷۰ پر ابومسلم خراسانی کو ابو مسلم اصفہانی قلم بند کرنا کاتب سے زیادہ جناب مصنف کے سہو قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ۔ پوری کتاب میں، جہاں بھی عیسوی سن لکھا گیا ہے، وہاں سن عیسوی کا مخفف (ع) سال سے پہلے درج کیا گیا ہے، یعنی ''ء۱۹۱۴'' کتابت کیا گیا۔کیا یہ کوئی جدت ہے، یا یہ بھی کتابت کی غلطی ہے؟اگر سن عیسوی کے اس اندراج کے پیچھے کوئی شعوری خواہش یا حکمت کارفرما ہے تو اس پر دیباچہ میں ایک دو جملے لکھے جانے کی ضرورت تھی۔صفحہ ۸۵ پر درج کیے گئے فارسی شعر کا پہلا مصرع

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں

بھی صحیح طور پر کتابت نہیں ہو سکا۔امید ہے کہ آیندہ اشاعت میں یہ اغلاط درست کر لی جائیں گی اورڈاکٹر اعظمی شبلی شناسی کی نئی سے نئی راہیں کھولتے رہیں گے۔

[سہ ماہی فکر ونظر،اسلام آباد،جنوری- مارچ۲۰۱۱ء،ص۱۳۹-۱۴۲]

مولانا عزیزالحسن صدیقی

ناظم مدرسہ دینیہ، غازی پور

متعلقات شبلی ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے ان کے مقالات کا مجموعہ ہے جو ملک کے معیاری رسائل میں شائع ہو کر سند قبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ہر مقالہ قاری پر فکر ونظر کے نئے

دریچے وا کرتا ہے اوراس کو علامہ شبلی کا حمایتی اور گرویدہ بنا دیتا ہے۔ڈاکٹر اعظمی اس سے پہلے بھی شبلی پر بہت کچھ لکھ چکے ہیں جس کو سند کا درجہ حاصل ہے۔حافظ عمیر الصدیق رفیق دارالمصنّفین نے بجا طور پر لکھا ہے کہ ''علامہ شبلی پر ان کے بکثرت مضامین نے ان کو''شبلیات'' کے ایک مستند ماہر کا درجہ عطا کر دیا''۔مولانا ضیاءالدین اصلاحی مرحوم تحریر فرماتے ہیں:

''انہوں نے بہت کم عرصے میں علم وادب کی دنیا میں اپنی جو جگہ بنائی ہے، وہ بہت سے لوگوں کو برسوں کی محنت وریاض کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی۔ان کی تحریر وتصنیف کی عمر ابھی زیادہ نہیں مگر ان کے قلم سے کئی ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن کی وجہ سے وہ ارباب علم ودانش کا مرکز توجہ ہو گئے ہیں۔''

کتاب میں کل چودہ مقالات شامل ہیں اور ہر مقالہ علم وتحقیق کے معیار پر کھرا اترتا ہے۔مقالہ جس موضوع پر بھی ہے، موضوع کا حق ادا کرتا ہے اور قاری کی تسکین خاطر کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ایک مقالہ ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔اس میں ڈاکٹر اعظمی صاحب نے علامہ شبلی نعمانی کی اس بات کیلئے تحسین وستائش کی ہے کہ انہوں نے اورنگ زیب عالمگیر کا بہترین دفاع کیا ہے۔اس مقالہ پر ضیاءالدین اصلاحیؒ کا یہ ریمارک کہ ''اورنگ زیب تو مظلوم تھا ہی اب اسکی جائز حمایت کے جرم میں شبلی بھی مظلوم ہو گئے۔'' کتنا برمحل اور موزوں ریمارک ہے۔بہرحال ڈاکٹر صاحب موصوف نے علامہ شبلی پر لگائے گئے الزامات کی بھرپور تردید کی ہے اوران کے ناقد سید عزیز الدین ہمدانی کے تار پود بکھیر دیئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ کے آخر میں پروفیسر ضیاءالحسن فاروقی کے یہ الفاظ ان کی کتاب ''اشخاص وافکار'' ص ۷۶ سے نقل کر کے بحث کو تکمیل تک پہنچایا ہے۔

''اورنگ زیب کے عہد سے متعلق بعد میں جو دستاویزات ملی ہیں اور جو اس وقت انہیں (علامہ شبلی کو) حاصل نہیں تھیں، ان کی بنیاد پر کئی باتوں میں ان کی تردید کی جاسکتی ہے مگر وہ کوئی دستاویز نہیں پیش کر سکے، اس لئے ان کا بیان علمی حیثیت سے باوزن نہیں، اس کے برعکس دور حاضر کے مورخین نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے نہ صرف علامہ شبلی کے دلائل کی صداقت واضح ہوتی ہے بلکہ مزید

دلائل بھی فراہم ہوتے ہیں۔''

ہم ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب کے دل سے قدرداں اوران کی عظمتوں کے قائل ہیں اورتمام صاحبان ذوق سے ان کے اس تازہ مجموعہ مضامین ''متعلقات شبلی'' کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں۔ہم بار باران کالموں میں گذارش کر چکے ہیں کہ اردو پر جان چھڑکنے والے اب تک تو صرف اردو کی بات کرتے رہے ہیں، اب خدارا اس کیلئے کچھ کر کے دکھائیں۔ہم پہلے بھی یہ تجویز پیش کر چکے ہیں کہ ہر اردو گھرانے میں ایک چھوٹی سی اردو کی لائبریری ہونی چاہئے۔ہم اور ہماری نسلیں اگر اردو سے نابلد رہیں گی تو اردو کتابیں خرید کر نہیں پڑھی جائیں گی نہ تو ڈاکٹر الیاس اعظمی کی محققانہ کتابیں چھپیں گی، نہ علامہ شبلی کی علمی حیثیت اور مقام اجاگر ہوگا، نہ ہم اپنے پرکھوں کے بارے میں کچھ جان سکیں گے، نہ اپنی تاریخ سے واقف ہو سکیں گے۔اردو کے مصنّفین و محققین برسہا برس کی کاوش کے بعد کتاب لکھیں گے اور دوسو یا زیادہ سے زیادہ چار پانچ سو کی تعداد میں چھاپ کر بانٹ دیں گے تو کیا اس سے اردو کا بھلا ہو جائے گا؟ حکومت کو تو جو کچھ کرنا تھا وہ کر چکی اور اب ہمیں اپنا کام کرنا ہے اور اپنا حق ادا کرنا ہے۔اگر ہم کوتاہی کریں گے تو خاکم بدہن نہ دارالمصنّفین جیسے علمی و اشاعتی ادارے رہیں گے نہ ڈاکٹر الیاس اعظمی جیسے علماء اور محققین ہی پیدا ہوں گے۔دارالمصنّفین اور مولانا مجیب اللہ ندوی کی آغوش تربیت میں پلے ہوئے ڈاکٹر الیاس اعظمی کو ہم ایسی اچھی کتاب کی تصنیف پر دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں اور عرض کرنا چاہئے ہیں،

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

[تذکیر، غازی پور، سریز ۲۶ ص ۱۶]

ڈاکٹر اوصاف احمد

سابق ایڈیٹر: مطالعات، انسٹی ٹیوٹ آف آبجکٹیو اسٹڈیز، دہلی

زیرنظر کتاب مصنف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو کسی نہ کسی اعتبار سے شبلی کی زندگی، ان کی کتابوں اور ان کے کارناموں سے متعلق ہیں۔غالباً اسی نکتہ کے پیش نظر اس کتاب کا عنوان

''متعلقات شبلی''، رکھا گیا ہے،لیکن اس سے قبل خود مصنف کے نام نامی اسم گرامی کے بارے میں بھی کچھ عرض کرنا ہوگا۔ کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب کے نام کا لاحقہ''الا عظمی'' کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مصنف مذکور اعظم گڑھ سے تعلق رکھتے ہیں۔ڈاکٹر صاحب موصوف اس سے ناواقف نہ ہوں گے کہ''ال'' کا اضافہ عربی میں اسم نکرہ (Common noun) کو اسم معرفہ (proper noun) بنانے کے لیے لگایا جاتا ہے، جیسے کتاب کا لفظ تو ہر عام کتاب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔لیکن''الکتاب''(The Book) کا استعمال ایک خاص کتاب''قرآن پاک'' کے لیے مخصوص ہے، کیا ڈاکٹر محمد الیاس صاحب اعظم گڑھ کے''واحد'' رہنے والے ہیں جو ان کے لیے''الاعظمی'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔؟

اس کتاب میں ڈاکٹر محمد الیاس صاحب اعظمی کے ۱۴ر مضامین ہیں جن کا تعلق شبلی سے ہے۔ابتدائے کتاب میں مصنف کے دیباچہ کے علاوہ چار تحریریں مزید شامل کی گئی ہیں جن کے عنوانات بالترتیب تبریک،حرف چند اور مقدمہ ہیں۔ان کے علاوہ ڈاکٹر احمد علی برقی صاحب کے منظوم تاثرات بھی شامل کتاب ہیں۔

''تبریک'' دہلی یونیورسٹی کے ایک مشہور و معروف پروفیسر صاحب کے قلم سے ہے۔جس میں آخری جملہ یہ تحریر فرمایا ہے:

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے حسب سعادت اس شاہراہ سے گذرتے ہوئے کچھ سنگر یزے سمیٹنے کی کوشش کی ہے''۔ ناچیز مبصر یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ مدح یا قدح؟ اگر کتاب کے مصنف خود اپنے رشحات قلم کو''سنگریزے'' قرار دیتے تو اس کو ان کی انکساری پر محمول قرار دیا جا سکتا تھا لیکن غالباً فاضل تبریک نگار کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ بارہ کتابوں کے مصنف کی قلمی کاوشوں کو''سنگریزے'' قرار دیں۔

حرف چند میں (ڈاکٹر) محمد نعیم صدیقی ندوی صاحب فرماتے ہیں:

''عاجز کی اس رائے میں شمّہ برابر بھی مبالغہ نہیں ہے کہ شبلی کے شاداں وفرحاں اسلوب تحریر اور سخن سنجی کا سایہ بھی کسی پر پڑ جائے تو وہ آسمان ادب کا تارا بن جائے گا۔''(صفحہ ۷)

شبلی کی استادی تسلیم ،ان کا ''صاحب اسلوب'' ہونا بھی شک وشبہ سے پرے ! لیکن تقریظ نگار کی رائے تو سراسر مبالغہ پر مبنی معلوم پڑتی ہے ۔عقیدت مندی اور غیر جانب دارانہ تنقید نگاری کا جوڑ ذرا مشکل سے ہی بنتا ہے۔مندرجہ بالا تقریظ کے مقابلہ میں شمیم طارق کا مقدمہ خاصا متوازن جان پڑتا ہے جس میں انہوں نے شبلی سے بھی انصاف کیا ہے اور زیر نظر کتاب کے مصنف سے بھی ۔ گو کہ انہوں نے بھی ''مدلل مداحی'' کے الزام کی نسبت آل احمد سرور اور رشید احمد صدیقی کی جانب کیا ہے۔اس الزام کا استعمال تو سب سے پہلے شبلی نے ''حیات جاوید'' کے لیے کیا تھا۔

ڈاکٹر محمد الیاس صاحب کی کتاب میں شبلی سے متعلق ۱۴ مضامین ہیں ۔اگر یہ ''مدلل'' نہیں بھی ہیں تو ان پر دفاعی انداز ضرور غالب ہے ۔ریسرچ کھلے اور آزاد ذہن سے کی جاتی ہے ۔ پہلے سے مقرر کئے گئے نتائج کا تتبع ریسرچ نہیں کہلایا جاسکتا ۔شبلی انسان تھے ۔ان سے بھی خطائیں ممکن تھیں ۔ دنیا جانتی ہے کہ موازنہ انیس و دبیر میں انہوں نے انیس کے بہترین اشعار لیے اور ان کا موازنہ دبیر کے کمزور ترین اشعار سے کیا۔موازنہ کے رد میں جو کتابیں لکھی گئیں ہوسکتا ہے کہ ان کا پایہ موازنہ کو نہ پہنچتا ہو کہ ان کے مصنفین علمی و ادبی صلاحیتوں میں موازنہ کے مصنف سے کم تر درجہ کے لوگ تھے ۔تاہم اس سے شبلی کی اپنی جانب داری کم نہیں ہوجاتی اور نہ ہی اس سے شبلی کے مرتبہ پر کوئی آنچ آتی ہے ۔تاہم یہ کتاب ''شبلی اسکول'' کے طرف داروں کو ضرور پسند آئے گی ۔

[مطالعات ، دہلی ، اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۹ء ، ص ۲۱۱-۲۱۲]

ملک نواز احمد اعوان

فرائیڈے اسپیشل ، کراچی

علامہ شبلی نعمانی کے متعلق ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی نے کتاب کے ''حرفے چند'' میں خوب لکھا ہے :

''لاریب اردو زبان و ادب کی طویل جگمگاتی تاریخ میں علامہ شبلی جیسی جامع

الکمالات، متنوع الصفات اور ہمہ جہت شخصیت کی نظیر یکسر مفقود ہے۔ وہ بیک وقت ایک عظیم عالم و مفکر بھی تھے، مایہ ناز مؤرخ و متکلم بھی اور بلند پایہ ادیب و نقاد بھی۔ اور سب سے زیادہ وہ ایک ایسے رعنا اور سدا بہار اسلوب نگارش کے بانی تھے جس کے تتبع کو ہر اہل قلم تادم حاضر سر بلندی کے ساتھ اپنے مفاخر میں شمار کرتا ہے۔ بلاشبہ ان کے جدت اسلوب اور ندرت تحقیق نے محدود خیالات کو وسعت افلاک عطا کی ہے۔ عاجز کی اس رائے میں شمہ برابر مبالغہ نہیں ہے کہ شبلی کے شاداں و رقصاں اسلوب تحریر اور سخن سنجی کا سایہ بھی کسی پر پڑ جائے تو وہ آسمان ادب کا تارا بن جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ شبلی کی فطرت میں جو شاعرانہ تخیل آرائی اور جمال پسندی تھی اس کی صریر خامہ ان کی نثری تحریروں میں صاف سنائی دیتی ہے۔''

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرسید احمد خاں کی طرح علامہ شبلی نعمانی کے بھی بڑے گہرے اثرات اردو علم و ادب اور تحقیق پر مرتسم ہوئے ہیں اور انہوں نے ایک جہاں کو متاثر کیا ہے۔ سب سے اہم یہ ہے کہ انہوں نے جس حلقہ علمی کا خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر ان کے بعد عالم وجود میں آ گئی جس نے اردو کی ثروت میں بیش بہا اضافہ کیا۔ ان کا فیض اب تک جاری ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بھی اسی سلسلہ الذہب کی ایک کڑی ہیں۔ ڈاکٹر صاحب دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے اعزازی رفیق ہیں۔ مولانا ضیاءالدین اصلاحیؒ کے ماہرانہ رائے ہے:

''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق سرزمین شبلی سے ہے جس کا ذرہ بھی نیر اعظم بن کر چمکتا ہے۔ انہوں نے بہت کم عرصہ میں علم و ادب کی دنیا میں اپنی جو جگہ بنائی ہے وہ بہت سے لوگوں کو برسوں کی محنت و ریاض کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ان کے قلم سے کئی ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن کی وجہ سے وہ ارباب علم و دانش کا مرکز توجہ ہو گئے ہیں اور گزشتہ دس بارہ برسوں میں علمی و تحقیقی مضامین کے تو اتنے انبار لگائے ہیں کہ ہند و پاک کا شاید ہی کوئی مؤقر اور قابل ذکر رسالہ ایسا ہو جو ان سے متمتع نہ ہوا ہو۔

ان کے خیالات میں جہاں اعتدال وتوازن ہوتا ہے وہاں تحریر میں بھی پختگی اور دلکشی ہوتی ہے۔ ان کی تحسین وتنقیص بھی غلو اور مبالغہ سے عموماً خالی ہوتی ہے۔''

پروفیسر محمد یسٰین مظہر صدیقی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے متعلق اپنی رائے یوں دی ہے:

''اردو ادب کے معروف لکھنے والے، متعدد مقالات اور کتابوں کے مصنف، تحقیق وعلم کی مشرقی اور اسلامی روایات کے پاسدار، فکر شبلی وسلیمان کے پارکھ اور ترجمان، محنت، علم، تحقیق اور فکر ونقد میں انفرادیت کے حامل، استاد ادب اردو مگر اسلامیات سے وابستہ، ان تک محنت اور بلند پایہ تحقیقات کے دلدادہ، علم وکمال کی دنیا میں ابھرتے ہوئے نو جوان محقق وعالم۔''

''متعلقات شبلی'' کے متعلق ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی لکھتے ہیں:

''متعلقات شبلی'' میری مستقل تصنیف نہیں بلکہ یہ میرے ان مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے، بعض سیمناروں میں پڑھے گئے، جنہیں اہل علم نے سراہا اور مفید قرار دیا۔ دو جوابی مضامین ہیں جس میں علامہ شبلی کے مؤقف کی صداقت واضح کی گئی ہے۔ مجموعی طور سے علامہ شبلی کی شخصیت، تصانیف اور ان کے افکار وخیالات کا ایک جامع مرقع اس میں آ گیا ہے۔''

جن موضوعات پر اعظمی صاحب نے قلم اٹھایا ہے ان کی تعداد ۱۴ ہے۔ ذیل میں ہم اس کی تفصیل درج کرتے ہیں:

پہلا مقالہ ''علامہ شبلی: ایک عاشق رسول''۔ دوسرا ''اردو زبان وادب کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ''۔ اس میں مقالہ نگاری، سوانح نگاری، تاریخ نگاری، تنقید نگاری، کلامی ادب، فارسی ادب، سیاسی ادب، مکتوباتی ادب، سیرت نگاری، اسلوب نگارش، شاعری، بحیثیت مدیر، انجمن ترقی اردو اور علامہ شبلی کی آخری یادگار دارالمصنفین اعظم گڑھ، جہاں سے علامہ شبلی کے تخیل اور منصوبوں کے مطابق ۲۰۰ سے زائد بلند پایہ کتابیں شائع ہوئی ہیں اور ماہنامہ معارف پابندی

سے شائع ہوتا ہے۔ ڈاکٹر الاعظمی لکھتے ہیں:

> خلاصہ یہ ہے کہ علامہ شبلی نے نہ صرف دامن اردو کو موتیوں سے بھر دیا بلکہ اسے نئی جہتوں اور بلندیوں سے آشنا کیا اور اسے ایک علمی زبان کا درجہ عطا کیا اور اس لائق بنا دیا کہ ہم دنیا کی بہترین زبانوں کے مقابلے میں اسے فخر سے پیش کر سکتے ہیں۔

تیسرا مقالہ ''تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی'' کے عنوان سے ہے۔ گلشن ہند مشاہیر شعرائے اردو کا قدیم تذکرہ ہے، جس کی تصحیح و تحشیہ اور اس کی اشاعت علامہ شبلی کی کوشش سے ہوئی۔ چوتھا مقالہ ''کچھ موازنہ انیس و دبیر کے بارے میں'' کے نام سے ہے۔ علامہ کی مشہور و معروف اس کتاب پر ڈاکٹر فیضان احمد کے نقد کا جواب ہے۔ پانچواں مقالہ علامہ کی تحقیق جو اورنگ زیب عالمگیر کے خلاف بے سروپا الزامات کے سلسلے میں کی تھی، پر اعتراضات کا جائزہ ہے۔ چھٹا مقالہ ''علامہ شبلی بحیثیت مدیر'' ہے۔ محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین، الندوہ اور مشہور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کا منصوبہ اور خاکہ بھی علامہ نے بنایا۔ ان رسائل میں انہوں نے جن حضرات کی تربیت کی اس کی فاضلانہ تفصیل ہے۔ ساتواں مقالہ ''علامہ شبلی کے تاریخی مقالات''، آٹھواں ''شبلی کی اردو شاعری''، نواں ''تصانیف شبلی کے تراجم'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں علامہ شبلی کی تصانیف کے عربی، اردو، پشتو، فارسی، ترکی، انگریزی وغیرہ میں تراجم کی تفصیل ہے۔ عمدہ معلومات افزا مقالہ ہے۔

دسواں مقالہ ''علامہ شبلی علی گڑھ میں'' کے عنوان سے ہے۔ گیارہویں مقالہ میں ''باقیات شبلی'' مرتبہ جناب مشتاق حسین مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کا مطالعہ ہے۔ بارہواں مقالہ ''حیات شبلی ایک مطالعہ'' ہے۔ تیرہواں مقالہ ''عالم اسلام میں شبلی شناسی'' اور چودھواں اور آخری مقالہ ''عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت'' عمدہ مقالہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب شبلیات کے ذخیرہ میں ایک وقیع اضافہ ہے۔

جناب پروفیسر عبدالحق، سابق شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی کے ''تبریک'' کے عنوان سے دو صفحے بھی شامل کتاب ہیں، اس میں وہ لکھتے ہیں:

''ان (مضامین) میں سب سے زیادہ معلوماتی مضمون ''تصانیف شبلی کے تراجم'' ہے۔اس سے ناچیز بہت متاثر ہوا۔علامہ کی تصانیف کے مختلف تراجم کو بڑی کاوش سے جمع کر کے ان کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔حیرت ہوتی ہے کہ علامہ کی تقریباً ہر تصنیف کا ترجمہ عمل میں آیا ہے۔یہ اردو تصانیف کے عالمی تراجم ہیں۔یہ اعزاز مولانا محترم کے توسط سے اردو کو حاصل ہوا ہے۔اس افتخار کے لیے دنیائے لسان اردو علامہ شبلی کی مرہون نظر ہے۔شبلی اور اقبال کے علاوہ کسی دوسرے اہل قلم کو یہ سعادت نہ مل سکی۔''

اس اقتباس کا آخری جملہ درست نہیں ہے۔جس شخصیت کی تحریروں کے اردو سے دوسری زبانوں میں سب سے زیادہ تراجم ہوئے وہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ ہیں۔عربی میں پچاس ساٹھ کتابیں تو راقم کی نظر سے گزری ہیں۔خود راقم نے ماضی قریب میں مولانا کی فارسی میں ترجمہ شدہ دو کتابوں پر تبصرہ لکھا ہے۔تفہیم القرآن کا فارسی ترجمہ ہو رہا ہے،''رسائل ومسائل'' کی ساری جلدوں کا ترجمہ منصورہ سے شائع ہوا ہے۔''خلافت وملوکیت'' کا عربی ترجمہ کویت سے شائع ہوا ہے۔کل ہی یہ سن کر مسرت ہوئی کہ ''الجہاد فی الاسلام'' کا انگریزی میں ترجمہ ہو گیا ہے۔تفہیم القرآن کے انگریزی میں دو ترجمے ہوئے ہیں۔رسالہ ''دینیات'' کے ۳۵ عالمی زبانوں میں ترجمے ہوئے ہیں۔اردن کے اسکولوں میں ''دینیات'' کا ترجمہ ''مبادی الاسلام'' کورس میں داخل ہے۔ترکی زبان میں بھی تفہیم القرآن کے کئی ترجمے ہوئے ہیں۔ڈاکٹر نثار احمد اسرار مرحوم مترجم نے راقم کو بتایا کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں جلدوں کا ترجمہ ترکی میں بھی کیا گیا ہے،جس کے کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ کتب مولانا مودودیؒ کے جتنے بھی تراجم میں نے کیے ان میں سیرت کی کتاب سے مجھے سب سے زیادہ مالی فائدہ ہوا۔ ریاض کے ادارہ WAMY کے جنرل سیکریٹری نے اپنے انٹرویو میں بتایا کہ میں جنوبی افریقہ کے دورے پر گیا،ہم ایک شہر سے دوسرے شہر بذریعہ کار جارہے تھے،راستے میں سرسبز جنگل میں،میں نے دیکھا کہ ایک درخت کے تنے پر تختۂ سیاہ لٹکا ہوا ہے،ساتھ ہی ایک افریقی استاد کھڑا ہے، سامنے پندرہ بیس طالب علم بیٹھے ہیں،مجھے یہ نظارہ بڑا بھلا لگا،میں نے اپنے ڈرائیور سے کہا: کار

طالب علموں کی طرف لے چلو،قریب پہنچ کر ہم کاروں سے اترے علیک سلیک کے بعد میں نے کہا: دخل اندازی کی معافی چاہتا ہوں، چونکہ میں بھی استاد ہوں مجھے یہ نظارہ بہت اچھا لگا، اس لیے دل چاہا کہ آپ سے ملاقات کروں۔تعارف پر معلوم ہوا وہ استاد بنگالی مسلمان ہیں اور بھی خوشی ہوئی۔طالب علموں کا حال پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ بھی مسلمان ہیں۔میں نے استاد صاحب سے پوچھا کہ آپ کیا پڑھا رہے ہیں؟ انہوں نے بتایا "Towords Understanding Islam" جو مولانا مودودیؒ کے رسالہ دینیات کا انگریزی ترجمہ ہے۔اسی طرح افریقہ کی ریاست گیبون ہے،اس کے صدر نے کرنل قذافی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا،ساتھ ہی اس کے قبیلے کے ایک لاکھ کے قریب لوگوں نے بھی اسلام قبول کیا۔ان کا نام عمر رکھا گیا۔ان کا انٹرویو عرصہ ہوا پڑھا تھا ،انہوں نے اپنے قبول اسلام کی تعلیمات پر یقین Towords Understanding Islam پڑھ کر ہوا۔اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو اردو زبان کے لیے بھی باعث فخر ہیں۔ان کا مولانا مودودیؒ کے لیے صدقۂ جاریہ ہونے میں تو کوئی شک نہیں بلکہ راقم کا تو یہ خیال ہے کہ کوئی صاحب اردو زبان سے دوسری زبانوں میں تراجم کو پی ایچ ڈی کا موضوع بنائیں تو حیرت انگیز انکشافات ہوں گے۔کتاب خوبصورت ٹائپ میں سفید عمدہ کاغذ پر طبع ہوئی ہے۔سادہ سرورق سے آراستہ اور مجلد ہے۔

[ہفت روزہ فرائڈے اسپیشل، کراچی ۳-۹ دسمبر ۲۰۱۰ء،ص ۳۸-۳۹]

ابو عاطفہ کوثر

ماہنامہ باب الاسلام، ممبئی

ایسے میں جب کہ شبلی شناس ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ان کی جانشینی کے لئے ابھرنا ایک فال نیک ہے اور اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علامہ شبلیؒ کے مشن کو جاودانی عطا کرنے کا فیصلہ فرمایا ہے۔

زیر نظر کتاب ''متعلقات شبلی'' میں انہوں نے نہ صرف علامہ شبلیؒ کی گوناں گوں خدمات

کومتعارف کرایا ہے بلکہ ان جہتوں کی بھی رہنمائی کی ہے جہاں تک علامہ شبلیؒ پہنچنا چاہتے تھے۔ آج بھی ضرورت باقی ہے کہ وہاں تک پہنچا جائے اور ان سنگلاخ وادیوں کوعبور کیا جائے۔ بالخصوص ان کا مقالہ بعنوان ''عہد حاضر میں علامہ شبلیؒ کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت'' بڑے خاصے کی چیز ہے۔علامہ شبلیؒ کی دور بیں نگاہوں نے بہت پہلے جو کچھ محسوس کیا اور منصوبہ بندی کی تھی آج اس سے آگے مشکل ہی سے کوئی سوچ پا رہا ہے۔

یہ کتاب علامہ شبلیؒ پر مختلف اوقات میں لکھے گئے چودہ مقالات کا مجموعہ ہے۔جن میں علامہ شبلیؒ کی زندگی اور خدمات کے ان شعبوں کو بھی اجاگر کیا گیا ہے جہاں تک متقدمین کی نظریں نہیں پہنچی تھیں اور وہ پہلی دفعہ منظر عام پر آرہی ہیں۔اس تلاش وجستجو اور رسائی کے لئے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب دبستان شبلی کے ہر ہر فرد کی جانب سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔اس موقع سے مصنف موصوف اور شیدائیان شبلیؒ کے علم میں یہ بات فائدہ سے خالی نہ ہوگی کہ علامہ شبلیؒ کے بعض خطوط تاثرات اور یادداشت انجمن اسلام مروڈ جنجیرہ، رائے گڑھ مہاراشٹر کی ہیڈ آفس کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں جواب تک کہیں شائع نہیں ہوئے ہیں۔انہیں بھی حاصل کر کے علامہ شبلیؒ کی باقیات کے ساتھ شائع کردیا جانا چاہئے۔

''تصانیف شبلیؒ کے تراجم'' کے عنوان سے موصوف نے جو معلومات اکٹھا کی ہیں وہ جہاں باعث فخر ہیں وہیں قابل ملامت بھی۔باعث فخر اس لئے کہ دنیا ہماری امیدوں سے کہیں زیادہ علامہ کی قدر دانی کررہی ہے اور کرنا چاہتی ہے اور قابل ملامت اس لئے کہ ہم اس قدر دانی کا سامان کرنے میں کوتاہ ہیں۔کتابت وطباعت کے اس ترقی یافتہ دور میں حسب مذاق ہم علامہ کی چیزوں کو پیش نہیں کررہے ہیں۔اسی طرح تراجم وتحقیق کا جو کام ہمیں کرنا چاہئے وہ دوسرے کررہے ہیں اور بعض تراجم صرف ہماری نا اہلی کی وجہ سے مدتوں سے زیور طباعت سے آراستہ ہونے کے انتظار میں ہیں۔بالخصوص سیرۃ النبی ﷺ کے تراجم کے سلسلے میں یہ جان کر انتہائی قلق ہے۔سیرۃ النبی ﷺ کا جو مقام اور اسے لکھنے اور پیش کرنے کا جو منفرد منہاج اپنایا گیا ہے اس کا جواب نہیں۔اسے ہر زبان میں منتقل ہونا چاہئے۔خود عرب اسے اس نئے پیکر میں پا کر ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

''اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر'' (بعض اعتراضات کا جائزہ) انتہائی قیمتی مقالہ ہے۔ سیکولرزدہ افراد جس طرح ذہن بگاڑنے کا کام کرتے ہیں، ان کی کاٹ کرنے کی بڑی اعلیٰ مثال اس میں پیش کی گئی ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ مسلم سلاطین کی شبیہ بگاڑنے کے لئے جو کوششیں اغیار کی جانب سے کی جارہی ہیں ان کا مسکت جواب دینے کا ملکہ مصنف موصوف میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اگر موصوف اس میدان میں سرگرم عمل ہوں تو امت کی جانب سے فرض کفایہ ادا کر سکتے ہیں، اے کاش اس خلا کو پر کرنے کی ہمت پا سکیں۔ ایسا کر کے وہ علامہ شبلیؒ کے ایک دیرینہ خواب کو شرمندہ تعبیر کریں گے اور یہ خود علامہ شبلیؒ کی ایک عظیم خدمت ہوگی۔ یہ کتاب شبلی شناسی اور اپنی بازیافت کی راہ کھولتی ہے، اس لئے ہر ذی شعور کو اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے۔

[ماہنامہ باب الاسلام، ممبئی، جنوری - مارچ ۲۰۱۰ء، ص ۴۷]

پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی

ایڈیٹر: ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ

کتاب کا نام دیکھ کر شبہ ہوا کہ اس میں ایسے امور زیر بحث آئے ہوں گے جن کا کسی نہ کسی طور علامہ شبلیؒ سے تعلق ہوگا لیکن جب فہرست مضامین پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ اس میں دونوں نوعیت کے مضامین ہیں، وہ بھی جن میں علامہ شبلی کی شخصیت اور کارناموں سے گفتگو کی گئی ہے اور وہ بھی جو ان کے متعلقات کے ضمن میں آتے ہیں۔ ایک نیا موضوع ایک عاشق رسول سب سے پہلے نظر کے سامنے آیا۔ یوں تو ان کا خاتمہ بالخیر سیرۃ النبی کی تصنیف کے دوران ہونا ان کے عشق رسول کی سب سے بڑی شہادت ہے لیکن مصنف نے بعض اور شہادتیں بھی مہیا کر دی ہیں۔ مثلاً جب وہ تعلیم سے فارغ ہو کر اوائل عمر ہی میں حج کے لئے تشریف لے گئے تو روضۂ اقدس پر فارسی میں ایک مثنوی پیش کی۔ علی گڑھ میں میلاد کی محفلیں منعقد کیں۔ ان کی اس سنت پر بعد میں بھی برسوں ان کے احباب و تلامذہ نے عمل کیا، مثلاً علی گڑھ میں (اور بیرون علی گڑھ بھی) مولانا سید سلیمان اشرف نے اور ان کے کئی برس کے بعد ڈاکٹر و مولوی عبدالحق نے اور پہلے ریاست

حیدرآباد میں اور پھر اپنے وطن مالوف حبیب گنج میں مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے۔ علامہ نے سیرت نبوی پر عربی میں ایک رسالہ بھی تالیف کیا، یہ مضمون اپنے موضوع سے پورا انصاف نہیں کرتا ہے کیونکہ اس میں بعض دیگر امور بھی زیر بحث آ گئے ہیں۔ مضمون کا عنوان دیکھ کر جو توقع ہوئی تھی وہ اس کے مطالعے سے پوری نہیں ہوتی ہے۔ اس میدان میں ان کا قابل ذکر کارنامہ بس سیرت ہی ہے اور وہ بہت بڑا کارنامہ ہے ورنہ اور جس طرح کی باتیں مضمون میں بیان کی گئی ہیں، ان کا اطلاق تو متعدد علماء اور علماء ہی نہیں، عام مسلمانوں پر بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون میں فاضل مصنف کوئی ایسی بات نہیں کہہ سکے ہیں جسے، سیرۃ النبی کے علاوہ، علامہ شبلی کا خصوصی امتیاز قرار دیا جا سکے۔

علامہ شبلی کی بعض تصانیف پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ان پر بہت اظہار خیال بھی ہو چکا ہے مثلاً موازنہ انیس و دبیر اور اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر۔ اس آخری مضمون کے بارے میں فاضل مصنف نے واضح کر دیا ہے کہ اس میں اس کتاب پر بعض اعتراضات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ دراصل یہ کتاب خود ہی اورنگ زیب عالمگیر پر بعض اعتراضات کا علامہ شبلی نعمانی کی طرف سے جواب ہے اور اس لئے علامہ کی اعلیٰ درجے کی تصانیف میں اس کا شمار نہیں ہوتا ہے۔ معلوم نہیں الیاس الاعظمی صاحب کی نظر سے ہندی مصنف کملیشور کا ناول کتنے پاکستان (اس کا اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے) گزرا ہے یا نہیں۔ اس ناول میں ہندستان کی تاریخ وقت کے جج کے سامنے پیش ہوتی ہے اور اپنا کیس بیان کرتی ہے۔ اس کتاب میں کملیشور نے اورنگ زیب اور دارشکوہ کے اختلافات کو بہت جگہ دی ہے۔ اورنگ زیب کی طرف سے جو وکیل پیش ہوتے ہیں ان میں سب سے اہم نام علامہ شبلی کا ہے گویا یہاں وہ بس ایک وکیل ہی بن کر ابھرتے ہیں اور کچھ نہیں۔

دراصل الیاس الاعظمی صاحب نے یہ مضمون ماہنامہ ''جامعہ'' نئی دہلی کے لئے لکھا تھا اور جب اس میں اشاعت میں تاخیر ہوئی تو ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ میں شائع ہو گیا۔ معارف میں مضمون کے شروع میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے ایک ایسا نوٹ تحریر کیا تھا جس سے ماہنامہ جامعہ کے کارکنوں کی نیت پر شبہہ ہوتا تھا۔ راقم الحروف نے معارف کو ایک مراسلہ لکھ کر اس بدگمانی پر اعتراض کیا تھا۔ پھر یہ مضمون ماہنامہ جامعہ میں بھی شائع ہو گیا تھا۔ مولانا ضیاء الدین

مرحوم کا یہ نوٹ زیرِ تبصرہ کتاب میں بھی موجود ہے۔ ہمارے خیال سے یہ دیانت کے خلاف ہے۔اس نوٹ کو کتاب سے خارج کر دینا چاہئے تھا۔ موازنہ انیس و دبیر پر مضمون میں ڈاکٹر فیضان احمد کے ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ میں شائع شدہ ایک مضمون کا محاکمہ کیا گیا ہے۔اس مضمون میں ڈاکٹر فیضان نے موازنہ کے ایک مخطوطہ اور مطبوعہ کتاب کے بعض اختلافات کی نشان دہی کی تھی ۔اس کے بارے میں ہم سمجھتے ہیں کہ الیاس الاعظمی صاحب جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ بالکل درست ہے۔

علامہ شبلی کی خدمات اردو زبان و ادب پر تو صفحات کے صفحات بلکہ کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ چند صفحات میں ان کا احاطہ بہت دشوار ہے۔مضمون کا عنوان ایسا ہے کہ اس میں اس ضمن میں علامہ کی عملی خدمات کا ذکر آنا چاہئے تھا۔اس کا آغاز اس وقت ہوا تھا جب وہ نواب محسن الملک کی سکریٹری شپ کے دوران آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی شاخ ترقی اردو کے پہلے سکریٹری مقرر ہوئے تھے۔اس مضمون میں جہاں علامہ شبلی کی خطوط نویسی کا ذکر آیا ہے وہاں ہمیں کسی قدر اختلاف ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جس عالم مصنف، مفکر یا مصلح پر ہم قلم اٹھائیں اسے لازماً ہر میدان میں دوسروں سے فائق و برتر قرار دیں۔'' غالب کے مکتوبات نے اصلاً اس صنف ادب کو دام بخشا۔ان کے بعد مکتوباتی ادب میں علامہ شبلی ہی کے خطوط ادب و انشا کا نمونہ ہیں۔'' یہی نہیں فاضل مصنف نے اس میدان میں بعض لحاظ سے انہیں غالب سے بھی بڑھا دیا ہے۔ہم ہی کیا کوئی صاحب فکر و نظر ڈاکٹر الیاس الاعظمی صاحب کی اس رائے سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ ہماری رائے ہے کہ علامہ شبلی کے بس وہی خطوط جو انہوں نے عطیہ فیضی کو لکھے ہیں اردو ادب کا سرمایہ اور اصحاب ذوق کی آنکھوں کا سرمہ ہیں، ورنہ مجموعی طور پر مہدی افادی، رشید احمد صدیقی، محمد علی ردولوی وغیرہ کے خطوط کم تر نہیں ہیں۔الیاس الاعظمی صاحب نے جس بنا پر علامہ شبلی کے خطوط کی افضلیت ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، دراصل وہ خطوط نویسی کے آداب و اوصاف میں داخل ہی نہیں ہیں، وہ تو کسی علمی مضمون کی توصیف ہو سکتے ہیں اور اگر اس نظر سے پرکھا جائے تو پھر اردو کا سارا مکاتیاتی ادب ایک غبار خاطر کا جواب پیش کرنے سے قاصر رہے گا لیکن یہ ملحوظ نظر ہے کہ خطوط نویسی کے جو واقعی آداب و اوصاف ہیں ان میں غبار خاطر بھی نیچے جاتی

ہےاور کاروان خیال اس سےاوپر آتی ہے۔

تذکرہ گلشن ہند کی تصحیح وتحشیہ از علامہ شبلی نعمانی پر مضمون لکھ کر ڈاکٹر محمد الیاالاعظمی نے ایک اچھی خدمت انجام دی ہے کیونکہ بقول ان کے کئی اکابر ادب نے اس کی طرف سے اغماض برتا تھا۔مضمون محنت سے لکھا گیا ہےاوراس میں دقت نظر سے کام لیا گیا ہے۔ضمناً مولوی عبدالحق کے توسط سے خواجہ میر اثر کی مثنوی خواب و خیال سے متعلق خواجہ حالی اور علامہ شبلی کے اختلاف رائے کا ذکرآ گیا ہے۔ یہ تو عین ہماری ادبی روایت کے مطابق ہے کہ مولوی عبدالحق کی ترجیح خواجہ حالی کی رائے کے لئے ہوگی اور ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی علامہ شبلی کے موقف کے حق میں کیوں کہ ہماری ریت یہی رہی ہے کہ اپنے اپنے ہیروکو بہر صورت صحیح ثابت کیا جائے۔اس پوری بحث میں ہمارے کام کے بس یہ جملے ہیں:''اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اہل وطن اپنی اوراپنے یاردوستوں یا عزیزوں یا بزرگوں کی کتاب پر تقریظ سننے کے شائق ہیں،تنقید کے روادارنہیں۔'' ان جملوں پر ہم بس احسنت و مرحباہی کہہ سکتے ہیں۔ یہ روایت جوں کی توں آج تک برقرار ہے بلکہ اس میں بدرجہا اضافہ ہوگیا ہے۔ بسا اوقات لوگ تنقید پڑھ کرآپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔کسی کو کتاب بھیجی جاتی ہےتو لکھا جاتا ہے تفصیلی رائے سے مطلع کریں یا کم سے کم رسید ضرور عنایت کریں جس کا مطلب ہوتا ہے ہماری کتاب کی خوب تعریف وتوصیف کریں،تنقید کا ایک جملہ آیا اور نہ صرف مصنف عالی مقام بلکہ ان کے حالی موالی بھی بپھر گئے ۔تاہم ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ اس میں استثنیٰ علامہ شبلی کے معتقدین و مداحین اور خود الیاس الاعظمی صاحب کا بھی نہیں ہے۔ہم خود علامہ شبلی کے کسی سے کم مداح اور عقیدت مند نہیں ہیں لیکن معصوم عن الخطا سوائے پیغمبران کرام کے کسی کو قرار نہیں دیتے ہیں اور وہ یوں کہ ان پر وحی نازل ہوتی تھی۔

باقی سب مضامین بھی لائق توجہ اوران میں سے بیشتر قابل تعریف ہیں۔علامہ شبلی کے اصلی جو ہر تو ان کی سوانح نگاری اور تاریخ نویسی ہی میں کھلے ہیں۔انہوں نے یہ علمی وتحقیقی کارنامے علی گڑھ میں رہ کرانجام دیئے ہیں۔ بحیثیت مدیر بھی ان کی اہمیت وفضیلت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ان کی اردو اور فارسی دونوں زبانوں کی شاعری کا اعتراف کیا گیا ہے۔البتہ شاعر کی حیثیت سے ان کا درجہ فارسی میں زیادہ بلند ہے۔ جہاں تک عربی شاعری کا تعلق ہے،وہ تو بس

برائے شعر گفتن ہی ہے،اس سے زیادہ نہیں۔ان کی شاعری کا محور بیشتر مسلمانوں کی عظمت پارینہ کواجاگر کر کے ان میں نیا حوصلہ وولولہ پیدا کرنا ہے۔

علامہ شبلی سے متعلق بعض کتابوں کا جائزہ لیا گیا اوران کی تصانیف کے تراجم پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ان کے ایک ابتدائی عربی رسالے تاریخ بدء الاسلام کے اردو اور فارسی میں ترجمے ہوئے ہیں اوران میں اردو کی متعدد معرکہ آرا تصانیف کے ترجمے اور غیر ملکی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔علی گڑھ کے زمانۂ قیام میں ایک طرف علامہ شبلی سرسیداوران کے کتب سے فیض یاب ہوئے اور دوسری طرف سرسیداحمد خاں اپنی علمی کاموں بالخصوص ان کاموں جن کا تعلق دینی علوم سے تھا میں علامہ شبلی نے علی گڑھ کو کئی جہتوں سے فائدہ پہنچایا (یا فائدہ پہنچانے کی کوشش کی) انہوں نے یہاں صحیح دینی فضا پیدا کرنی چاہی ،قرآن مجید کا درس دیا (اس کا اتباع اپنے دور میں مولانا سید سلیمان اشرف نے بھی بہت اہتمام سے کیا)،عربی و فارسی کا ذوق پیدا کیا اورقومی و سیاسی معاملات میں آزادخیالی کی شمع روشن کرنے میں معاون ہوئے۔علی گڑھ نے بھی علامہ شبلی کے ذہن وفکر پر جلا کی ،ان کے قدیم اور روایتی علم کو جدید علم وفن سے مالا مال کیا اورانہیں ایسی شخصیتوں سے روشناس کرایا جن سے روشناس ہوئے بغیر وہ بعض ایسے کارنامے انجام نہیں دے سکتے تھے جوانہوں نے دیئے۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی تصنیف حیات شبلی پر ہم کئی مرتبہ اظہار خیال کر چکے ہیں۔ اس کا اعادہ غیر ضروری ہے۔مصنف کا یہ بیان کہ ’’(حیات شبلی) مشرقی سوانح عمری کی بہترین مثال ہے۔‘‘ یا یہ کہ ’’یہ ہماری زبان کی سب سے مفصل اور وقیع سوانح عمری ہے۔‘‘ ہمارے لئے کسی طرح قابل قبول نہیں ہے کیونکہ انہوں نے اس کی کوئی دلیل نہیں دی ہے۔تنہا مفصل ہونا کسی سوانح عمری کا وصف نہیں ہوسکتا۔حیات شبلی کو حیات جاوید پر ہرگز ترجیح نہیں دی جاسکتی بلکہ وہ بڑی حد تک حیات جاوید کے نمونے پر اوراس کی پیروی میں لکھی گئی ہے اوراس پر وہ سب اعتراضات وارد ہوتے ہیں جو علامہ شبلی نے حیات جاوید پر کئے ہیں،سوائے اس کے کہ سرسیداور علامہ شبلی کے مذہبی افکار وعقاید میں، یقیناً بعض جگہ اختلافات ہیں،ان سب امور سے قطع نظر کہ ان پر ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں،ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے لکھا ہے کہ ’’...... چونکہ اس میں علامہ شبلی اور سرسید احمد

خاں کے اختلافات کے ضمن میں علامہ شبلی کو حق بجانب ٹھرایا گیا تھا، اس لئے سرسید کے بعض عقیدت مندوں کو اس سے ٹھیس پہنچی اور انہوں نے .... حیات شبلی پر سخت ردّعمل کا اظہار کیا۔'' اس ضمن میں انہوں نے خاص طور سے پروفیسر رشید احمد صدیقی پروفیسر آل احمد سرور، محمد ابراہیم ڈار اور شیخ محمد اکرام کے نام لئے ہیں۔ ہمارے خیال سے یہ مکمل سچائی نہیں ہے۔ پروفیسر آل احمد سرور نے اردو ادب کی پوری تاریخ میں صرف چار مصنّفین کو صحیح معنیٰ میں دانش ور قرار دیا ہے اور ان میں سے ایک علامہ شبلی ہیں۔ باقی تین سرسید، مولانا آزاد اور علامہ اقبال ہیں۔ چوں کہ سرور صاحب خود ایک سچے دانش ور تھے، اس لئے انہوں نے چاروں کی توصیف کے ساتھ ان سب پر تنقید کی ہے اور اس میں من تو کا لحاظ نہیں رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک آج علامہ شبلی کی سب سے بڑی معنویت و اہمیت یہ ہے کہ ہماری دینی درس گاہیں اپنے نصاب تعلیم میں جدید علوم کو معقول جگہ دے کر علامہ کا خواب پورا کریں۔ کتاب اچھی چھپی ہے اور اس کی قیمت مناسب ہے۔

[ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ، ستمبر ۲۰۰۹ء ص ۲۳-۲۵]

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

سابق پروفیسر شعبہ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

کتاب کے مرتب ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق علامہ شبلی کی سی عبقری شخصیت کی سرزمین سے ہے اور اس انتساب کی وجہ سے متعدد اعلیٰ پائے کی کتابیں ان کے قلم سے نکلی ہیں۔

اردو زبان و ادب میں شبلی کا بڑا ہی ارفع، اعلیٰ اور منفرد مقام ہے۔ بیک وقت وہ نامور عالم دین، چوٹی کے مفکر جلیل، مایۂ ناز مؤرخ اور صف اول کے متکلم تھے۔ نہ صرف جلیل القدر ادیب، لاثانی طرز انشاء کے مالک، سدابہار اسلوب بیان کے مالک اور زبردست نقاد بلکہ اردو ادب کے عناصر اربعہ میں تھے۔ ان کی متعدد تصانیف کے ترجمے انگریزی، عربی، فارسی، ترکی، پشتو، ملیالم اور مراٹھی زبان میں ہوئے۔

زیر نظر کتاب ڈاکٹر محمد الیاس کے ان مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو شبلی سے متعلق

ہیں اور ان کے عنوانات ہی سے اس کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ نابغۂ عصر شبلی کی شخصیت کتنی زیادہ ہمہ جہت حیثیت کی مالک تھی اور اردو ادب کے ہر صنف پر ان کی نظر کس درجہ ماہرانہ تھی۔عنوانات یہ ہیں: علامہ شبلی ایک عاشق رسولؐ، اردو زبان وادب کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ، تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی، کچھ موازنہ انیس ودبیر کے بارے میں، اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر بعض اعتراضات کا جائزہ، شبلی بحیثیت مدیر، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات، شبلی کی اردو شاعری، تصانیف شبلی کے تراجم، علامہ شبلی علی گڑھ میں، باقیات شبلی ایک مطالعہ، حیات شبلی ایک مطالعہ، عالم اسلام میں شبلی شناسی، عصر حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت۔

کتاب پر فاضلانہ تبریک ڈاکٹر عبدالحق (سابق صدر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی) کے قلم سے ہے۔حرفے چند میں ڈاکٹر نعیم صدیقی ندوی نے اس مجموعہ مضامین کی امتیازی خصوصیتوں کو بیان کیا ہے۔شمیم طارق نے مقدمے میں علامہ شبلی کی عظیم الشان علمی اور ادبی خدمات کا سیر حاصل جائزہ لیا ہے اور اس تالیف کی امتیازی خصوصیتوں کو بیان کیا ہے۔

دیباچے میں فاضل مرتب نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ شبلی کی عظیم شخصیت کا نمایاں باب یہ ہے کہ وہ جہاں رہے صف اول میں ممتاز رہے اور جس موضوع پر انہوں نے قلم اٹھایا نہ صرف اس کا پورا حق ادا کیا بلکہ اپنی انفرادیت کا نقش بھی چھوڑا اور یہ کہ شبلی اب تک اذہان اور قلوب پر چھائے ہوئے ہیں۔

کتاب کے آخر میں چھ صفحوں میں کتابیات ہے جس سے اس کا علمی پایہ بہت بلند ہوگیا ہے۔ پہلے مقالے میں اس کا ذکر ہے کہ شبلی شروع ہی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حد درجہ عاشق تھے جب وہ ایم،اے،او، کالج سے وابستہ ہوئے اور انہیں وہاں مذہبی روح نظر نہ آئی تو اسے پیدا کرنے کے لیے انہوں نے سیرت کے جلسوں کی بنیاد ڈالی جن میں وہ خود تقریر کرتے تھے۔کالج کے طلبہ میں سیرت نبوی کے مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کے لیے انہوں نے سیرت نبوی پر عربی میں ایک رسالہ ''بدءالاسلام'' لکھا جو عرصے تک کالج کے نصاب میں شامل رہا۔علی گڑھ کے دوران قیام ہی میں انہوں نے ناموران اسلام کے حالات اور سوانح قلم بند کرنے کا منصوبہ بنایا اور المامون، سیرۃ النعمان اور الفاروق جیسی معرکۂ آرا کتابیں لکھیں۔ جب وہ حیدرآباد میں سررشتہ علوم وفنون

سے منسلک ہوئے تو سیرت نبوی کی تالیف کا عزم مضبوط ہوا لیکن وہ کوئی عملی قدم نہ اٹھا سکے۔

شعرالعجم کا سلسلہ شروع کرنے کے بعد انہوں نے سیرت نبوی لکھنا شروع کی اور پھر دم واپسی تک اس سے جدا نہ ہوئے۔ انہوں نے سیرت النبی انتہائی بلند معیار سے قلم بند کی۔ جب وہ ولادت نبوی کا حال بیان کرنے لگے تو ان کا عشق رسولؐ حد انتہا کو پہنچ گیا اور اس موقع پر ایسی لاثانی تحریر ان کے قلم سے نکلی جس کی مثال عالمی ادب میں ملنی مشکل ہے۔

دوسرے مقالے میں اردو زبان اور ادب کے ارتقا میں فاضل مرتب نے شبلی کے حصے کا جائزہ لیا ہے۔ اسی سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ شبلی کے ادبی کارناموں کا دائرہ کتنا زیادہ وسیع اور متنوع تھا۔ اردو ادب کی کوئی صنف ایسی نہ تھی جس پر ان کی گراں قدر تحریریں نہ ہوں۔ شعر و ادب، تاریخ، سوانح، تنقید، تحقیق، فلسفہ و کلام، تعلیم و تربیت، سیاست۔ بہ قول شیخ محمد اکرام قلیل مدت حیات اور کمزور صحت کے باوجود شبلی نے جو کچھ کر دکھایا وہ ایک معجزے سے کم نہیں۔

تذکرہ گلشن ہند مشاہیر شعرائے ہند کا ایک قدیم تذکرہ ہے جو اصلاً علی ابراہیم خان کے فارسی تذکرہ گلزار ابراہیم کا ترجمہ ہے جسے ۱۸۰۱ء میں جان گل کرائسٹ کی فرمائش پر مرزا علی خان لطف نے اردو کا جامہ پہنایا اور اس میں اتنی زیادہ ترمیم و تنسیخ اور اضافہ کیا کہ اس کی حیثیت ایک علاحدہ تذکرہ کی ہوگئی۔ بقول مرتب اس سے پہلے اس قسم کی تحقیق کا کوئی کام اردو میں نہیں ہوا تھا۔ ایک مضمون نگار نے ایک رسالے میں علامہ شبلی کی ایک بڑی اہم تصنیف موازنہ انیس و دبیر کے ایک مخطوطے کی بنا پر جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۰۷ء میں مفید عام پریس آگرہ سے شائع ہوا تھا، میں فرق دکھایا۔ فاضل مرتب نے اپنے مقالہ میں مضمون نگار کے اعتراضات کا بڑے ہی مدلل انداز سے اور ٹھوس شواہد کی بنا پر رد کیا۔ اس سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ مخطوطہ کس درجہ ناقص اور نامکمل تھا۔

انگریز مؤرخین نے اپنے ناپاک سیاسی اغراض و مقاصد کے حصول کے لیے ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف منافرت پھیلانے کے لیے ہندوستان کے مسلم حکمرانوں کے خلاف طرح طرح کے بے بنیاد الزامات عائد کیے اور سب سے زیادہ مغل بادشاہ عالم گیر کو ہدف تنقید و تنقیص بنایا اور ان کی شخصیت کو مطعون اور مجروح کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ علامہ شبلی کا یہ عظیم کارنامہ ہے کہ انہوں نے اپنی فاضلانہ تصنیف ''اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر میں'' معتبر

اور مستند تاریخوں سے ان الزامات کی تردید کی اور یہ ثابت کیا کہ یہ سارے الزامات سرتاسر بے بنیاد ہیں اور یہ رائے انہوں نے تاریخ کے گہرے مطالعے کی روشنی میں قائم کی ہے۔ ان کی اس بلند پایہ تاریخی کاوش کا اعتراف بھی کیا گیا۔ رسالہ جامعہ میں ایک مضمون نگار نے یہ اعتراض کیا کہ شبلی نے عالم گیر کی بے جا طرف داری کی اور بجائے غیر جانب دار مؤرخ کے ان کے وکیل رہے۔ مقالے میں مرتب نے ان تمام اعتراضات کا بڑا ہی شافی اور جامع جواب دیا۔ اس سے ان کی تاریخ پر گہری اور عمیق نظر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔

مقالہ بعنوان ''علامہ شبلی بحیثیت مدیر'' میں اس کا ذکر ہے کہ شبلی کو صحافت کے میدان میں بھی امتیازی پوزیشن حاصل ہے۔ ایم اے او کالج میں آنے کے بعد وہ کالج میگزین کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور اس کے بعد جب دارالعلوم ندوۃ العلما قائم ہوا تو اس کے ترجمان الندوہ کے بھی وہ ایڈیٹر ہوئے۔ ان دونوں علمی مجلوں کے ایڈیٹر ہونے کی حیثیت سے انہوں نے اعلیٰ پائے کے علمی اداریوں اور مضامین سے ایک امتیازی پوزیشن حاصل کی۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے معیاری صحافت کے اصول وضع کیے۔ بحیثیت مدیر علامہ شبلی کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے کہ انہوں نے تصنیف و تالیف کے لیے طلبائے ندوہ اور دوسرے اہل قلم کی ذہنی و دماغی تربیت دی۔ علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبدالسلام ندوی، مولوی ضیاء الحسن علوی ندوی، خواجہ عبدالواحد ندوی، مولوی عبداللہ عمادی کے نام اس سلسلے میں قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے الندوہ ہی میں مضامین لکھ کر ناموری حاصل کی۔ الندوہ ہی کے ذریعے اردو میں علمی مباحث کا بڑا ذخیرہ پیدا ہوا اور اس کے ذریعہ جدید تعلیم یافتہ افراد اسلام کے مذہبی اور علمی کارناموں سے آشنا ہوئے اور علماء کرام جدید مسائل سے روشناس ہوئے۔

فاضل مرتب کا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ ملک میں تحقیقی مقالہ نگاری کا جو سلسلہ چلا وہ براہ راست یا بالواسطہ علامہ ہی کا فیضان ہے۔ ان کا بہت بڑا بلکہ مہتم بالشان علمی کارنامہ جس سے وہ زندہ جاوید رہیں گے۔ ان کے تاریخی مقالات ہیں۔ ابن خلدون کے بعد وہ پہلے مسلمان مؤرخ ہیں جنھوں نے نہ صرف نظریہ تاریخ پیش کیا بلکہ اپنی تصانیف میں ان پر عمل پیرا ہوئے۔ ان کے معرکۂ آرا تاریخی مقالے اپنی قدر و قیمت کے لحاظ سے تحقیقی شاہ کار ہیں۔ تاریخی مقالہ نگاری کا

آغاز انہوں نے ہی کیا۔

ان تاریخی مقالات کے ذریعے تاریخی غلط فہمیوں یا بدیانیتوں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہندی مؤرخین اور ان کے عائد کردہ الزامات کا معروضی انداز بیان کے ساتھ رد کیا گیا۔ ان مقالات میں مسلمہ تاریخی اصول ونظریات مثلاً مآخذ کی صحت، روایت ودرایت، قیاس واجتہاد، سنداور حوالہ اور تحقیق کی کارفرمائی واضح نظر آتی ہے۔ ان مقالات کا مقصد مغربی افکار کی وجہ سے پیدا ہوئی مسلمانوں میں احساس کمتری دور کرنا تھی اور مغربی اقدار اور روایات کے مقابلے میں صحیح اسلامی اقدار پیش کی گئیں تا کہ مسلمان اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہوں اور مغربیت سے ان کی مرعوبیت ختم ہو۔ ان مقالات سے مسلمانوں کی تہذیبی اور تمدنی تاریخ کے بہت سے روشن پہلو سامنے آئے۔ بعض مقالے اپنے موضوع پر منفرد ہیں یعنی جن کو اب تک کسی نے اپنا موضوع تحقیق نہیں بنایا۔ بعض مقالات نے مؤرخین کو نئے سرے سے غور وفکر اور تحقیق وتنقید کا ذوق پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اپنے مقالے میں فاضل مرتب نے علامہ کے ۲۱ ایسے مقالوں اور کتابوں کا ذکر کیا ہے جو تحقیق کا شاہکار ہیں۔

شبلی کی اردو شاعری کی خصوصیتوں خاص کر ان کی سیاسی نظموں کا ذکر ایک مقالے میں کیا گیا ہے۔ ان نظموں کا ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کا رخ موڑنے میں بڑا اہم حصہ ہے۔

تصانیف شبلی کے تراجم، بڑا ہی اہم مقالہ ہے۔ یہ شرف صرف علامہ شبلی ہی کو حاصل ہوا کہ ان کی متعدد تصانیف کا ترجمہ عربی، فارسی، انگریزی، ترکی، پشتو، ملیالم اور مرہٹی زبانوں میں ہوا، اس مقالے میں ان تراجم کا ذکر ہے۔

باقیات شبلی اور حیات شبلی کے مقالوں میں مصنف نے ان کتابوں کے بارے میں اپنے تاثرات اور ان کتابوں کی امتیازی خصوصیتوں کو بیان کیا ہے۔

مقالہ بعنوان عالم اسلام میں شبلی شناسی سے اس کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی ملکوں میں علامہ کی گراں قدر تصنیفوں کی وجہ سے ان کا کتنا بڑا درجہ تھا۔ ان کا کتنا زیادہ احترام کیا جاتا تھا۔

علامہ نے (فاضل مرتب کے الفاظ میں ۳۲ برس تک) ملک وملت کو اپنی شعلہ نفسیوں سے گرم، اپنی نوا سنجیوں سے پرشور اور اپنی ولولہ انگیزیوں سے بیدار کیا اور مختلف اسلوب وانداز میں

مسلمانوں کی عزت ووقاراور اسلام کی عظمت اور سربلندیوں کا سامان کیا۔اس کے لیےانہوں نے قوم کے سامنے متعدد تجاویز پیش کیں اور علمی وعملی جدوجہد کے منصوبے بنائے جو نہ صرف ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے بلکہ ہماری تاریخ کا روشن ترین باب بھی ہے۔

افسوس ہے کہ مقالہ بعنوان ''علامہ شبلی علی گڑھ'' تشنہ سا محسوس ہوتا ہے۔اس میں اس کا کوئی ذکر نہیں کہ علی گڑھ تحریک کے بانی (سید احمد خاں) کے مذہبی اور سیاسی خیالات کے بارے میں علامہ شبلی کا کیا خیال تھا، خاص طور سے اخوت اسلام، پان اسلام اِزم۔

یہ مجموعہ اردو ادب میں بڑا گراں قدر اضافہ ہےاور علمی اعتبار سے اس بلند اور گراں قدر مجموعے کی اشاعت پر فاضل مرتب قابل صد تہنیت ومبارک باد ہیں۔

[اردو بک ریویو، دہلی، جولائی-ستمبر۲۰۰۹ء]

حسان بن سلیم

بقول مولانا ضیاءالدین اصلاحیؒ:

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق سرزمین شبلی سے ہے جس کا ذرہ بھی نیر اعظم بن کر چمکتا ہے۔انہوں نے بہت کم عرصے میں علم وادب کی دنیا میں اپنی جو جگہ بنائی ہے وہ بہت سے لوگوں کو برسوں کی محنت وریاض کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی۔ ان کے قلم سے کئی ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن کی وجہ سے وہ ارباب علم ودانش کا مرکز توجہ بن گئے ہیں اور گذشتہ دس بارہ برسوں میں علمی وتحقیقی مضامین کے تو اتنے انبار لگائے ہیں کہ ہندوپاک کا شاید ہی کوئی موقر اور قابلِ ذکر رسالہ ایسا ہو جو ان سے متمتع نہ ہوا ہو۔''

جناب عبدالحق فرماتے ہیں:

''شبلی کی فکری اسالیب کی بازیافت ایک عمومی مطالعہ کا مطالبہ کرتی ہے اور شبلی شناسی کی تشویق پیدا کرتی ہے۔شبلی کے قلم کی ساحری اور دلنوازی سے بے

نیازی ممکن نہیں۔سوسال گذرنے کے باوجود شبلی کے اسالیب، بیان کی پیروی ناموس ادب کی پہچان بنی ہوئی ہے۔ہم شکر گذار ہیں کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شائقین شبلی کے لیے ایک کشادہ راہ ہموار کی ہے اور علامہ کو نئے انداز نظر سے پرکھنے میں ہماری رہبری کی ہے۔پھر عہد حاضر میں شبلی کی باز آفرینی کے لیے ایک نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے اور شبلی کے افکار کی تشکیل وترتیب نو کی طرف ذی فکر اہل قلم کی توجہ نے ہماری حیرت فزائی میں اضافہ کیا ہے۔پوری صدی شبلی واقبال کے تصورات اور فکر سے فیضان حاصل کرتی رہی ہے۔یہ نئی صدی ہی نہیں بلکہ طلوع صبح محشر تک شبلی کے صدق وصفا کی یہ گذرگاہ ہماری کامرانیوں کی نشاندہی کے لیے کافی ہے۔''

فاضل مؤلف لکھتے ہیں کہ

''متعلقات شبلی'' میری مستقل تصنیف نہیں بلکہ یہ میرے ان مضامین ومقالات کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور بعض سمیناروں میں پڑھے گئے جسے اہل علم نے سراہا اور مفید قرار دیا۔دو جوابی مضامین ہیں جن میں علامہ شبلی کے تعلق سے بعض غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا اور علامہ شبلی کے موقف کی صداقت واضح کی گئی ہے۔''

علامہ شبلی ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان سے آغاز کتاب ہوا ہے اور عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت کے عنوان پر جامع ومدلل وضاحتی تحریروں کی وسعتیں اور انکشافات سمیٹے ہوئے اختتام کتاب بحسن وخوبی تمام ہوتا ہے۔

شبلی شناسی پر مذکورہ بالا کتاب اپنے دامن میں بصیرت افروز جواہر پارے لیے ہوئے ہے۔ایسی عالمانہ تحریروں سے استفادہ ہم سب کے لیے ضروری ہے۔یقین ہے اس سعی بلیغ کی پذیرائی ہوگی۔کتاب معیاری اصول پر شائع ہوتی ہے۔

[ماہنامہ نیادور لکھنو، فروری ۲۰۱۰ء ص ۴۲-۴۳]

ڈاکٹر شاداب عالم

ریسرچ اسکالر شعبہ اردو، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی

شبلی نعمانی انسائیکلو پیڈیائی شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی غیر معمولی تصنیفی وتالیفی صلاحیت محتاج بیان نہیں۔ الفاروق، موازنہ انیس ودبیر، الکلام، علم الکلام، شعرالعجم اور سیرت النبیؐ جیسی کتابوں کے ذریعے انہوں نے پورے انسانی تہذیبی سرمایے میں گراں قدر اضافہ کیا۔ شبلی کی بیشتر تحریریں آفاقی ہیں اور آج بھی اہل علم ودانش کو اپیل کرتی ہیں۔

''متعلقات شبلی'' کے مصنف ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی جو کہ مصنف، مترجم، محقق کے علاوہ اعزازی رفیق دارالمصنفین شبلی اکادمی اور ایک کامیاب استاذ بھی ہیں۔ ان کے مضامین برصغیر کے اردو رسائل ومجلّات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ زیر نظر کتاب 'متعلقات شبلی' کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ وقتاً فوقتاً لکھے گئے اور سیمیناروں میں پڑھے گئے چودہ مضامین ومقالات پر مشتمل ایک مجموعہ ہے۔ وہ چودہ مقالات اس طرح ہیں (۱) علامہ شبلی- ایک عاشق رسول (۲) اردو زبان وادب کے ارتقا میں علامہ شبلی کا حصہ (۳) تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی (۴) کچھ موازنہ انیس ودبیر کے بارے میں (۵) اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر (بعض اعتراضات کا جائزہ) (۶) علامہ شبلی بحثیت مدیر (۷) علامہ شبلی کے تاریخی مقالات (۸) شبلی کی اردو شاعری (۹) تصانیف شبلی کے تراجم (۱۰) علامہ شبلی: علی گڑھ میں (۱۱) باقیات شبلی: ایک مطالعہ (۱۲) حیات شبلی: ایک مطالعہ (۱۳) عالم اسلام میں شبلی شناسی (۱۴) عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اور منصوبوں کی معنویت۔ مجموعے کے اندر دو ایسے مضامین بھی شامل ہیں جن میں شبلی نعمانی کے تعلق سے بعض غلط فہمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے اور شبلی کے موقف کی مدلل تائید کی گئی ہے۔ محمد الیاس اعظمی کے مقالات کی خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں خوشگوار تنوع ہے اور تکرار نہیں پائی جاتی۔ مجموعی اعتبار سے شبلی کی شخصیت، تصانیف اور ان کے افکار وخیالات کا ایک مختصر مگر پر کیف اور جامع مرقع تیار ہو گیا ہے۔

''متعلقات شبلی'' کے کچھ موضوعات تو کافی اہمیت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی، علامہ شبلی: علی گڑھ میں، شبلی کی اردو شاعری، عالم اسلام میں شبلی شناسی

اورعہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اورمنصوبوں کی معنویت۔علاوہ ازیں ''متعلقات شبلی'' کا ہر مقالہ قاری کواصل متن کی قرأت کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ایک مضمون کا عنوان ''تذکرہ گلشن ہند اورعلامہ شبلی'' ہے،جس میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ علامہ شبلی نے مشاہیر شعرائے اردو کے ایک قدیم تذکرہ ''تذکرہ گلشن ہند'' کی تصحیح وتدوین کا جو اصول وطریقۂ کار متعین کیا تھا بعد میں وہی اصول وطریقہ کار قدیم تذکروں اور نادر کتابوں کی تدوین وتصحیح کے صحت مند رجحان کی تقویت ومقبولیت کا باعث بنا،سرسید اور شبلی کی رفاقت اور پھر شبلی کی علی گڑھ سے علاحدگی پر حاشیہ آرائی ہوتی رہی ہے۔اس مجموعے میں اس موضوع پر بھی ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے''علامہ شبلی- علی گڑھ میں''،لیکن اس مضمون میں تنازعات میں پڑے بغیر ساری توجہ اس پر صرف کی گئی ہے کہ علی گڑھ میں علامہ شبلی نے کیا کیا علمی خدمات اور کارنامے انجام دیئے۔اسے ایک صحت منداور مثبت طریقۂ تحلیل کے طور پر دیکھا جانا چاہیے۔ایک بہت ہی عالمانہ اورمحققانہ مقالہ بعنوان''عہد حاضر میں علامہ شبلی کی تجویزوں اورمنصوبوں کی معنویت''اس کتاب میں شامل ہے۔قومی ترقی کے لیے علامہ شبلی نے وقتاً فوقتاً جو تجاویز پیش کیں اور جو منصوبے بنائے یہ مقالہ ان کا ایک اجمالی جائزہ پیش کرتا ہے۔اس سے دور حاضر میں شبلی کی معنویت اوران کے افکار کی افادیت کا پتا چلتا ہے۔کیا ہی اچھا ہوتا اگر اس کتاب میں شبلی کے ادبی مقالات اور شعر العجم کے تنقیدی نظریات پر بھی مقالات شامل کر لیے گئے ہوتے۔اس کے باوجود شائقین شبلی کو بالخصوص اور عام قاری کو بالعموم اس کتاب کے اندر ایک تازگی،علمی گیرائی اور مثبت نقطۂ نظر کی کارفرمائی نظر آئے گی۔ہماری نظر میں موضوعات ومشتملات کے اعتبار سے''متعلقات شبلی''شبلیات کے ذخیرے میں ایک گراں قدر اضافہ ہے۔

[ماہنامہ اردودنیا دہلی،جنوری ۲۰۱۲ء ص ۷۰]

پروفیسر عبدالحق

سابق صدر شعبہ اردو،دہلی یونیورسٹی،دہلی

علامہ شبلی کی نسبتوں اورنسب کا سلسلہ جتنا معروف ومرتکز ہے وہ علم وادب کے کسی

خانوادے کو میسر نہ ہوسکا۔ شعری اصناف میں پنج پشت کا اظہار ملتا ہے، اس سلسلے میں ایک ہی یکتا و یگانہ ہے، مگر شجرۂ شبلی کی ہر شاخ ثمر بیز ہے۔ ناچیز کی نظر میں اب تو شاگردوں یا شناسانِ شبلی کی ساتویں کہکشاں بھی ہفت رنگ ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اس علمی کارواں کے افتاں وخیزاں رہ روانِ شوق ہیں، جنھوں نے سید سلیمان ندوی، شاہ معین الدین ندوی کے بعد مرکز سے مراجعت کی ہے، وہ اب علامہ شبلی کے افکار کی تشکیل نو کی طرف مائل ہیں۔ مجھے ان کے رویے میں استقرار دکھائی دیتا ہے۔ ان پر اعتبار کیا جا سکتا ہے کہ ان کی کارکردگی کی بہتر سے بہتر صورت گری سامنے آئے گی۔ وہ جواں سال ہیں اور ان کے قلم کی جولانی سے توقعات بھی ہیں۔ دارالمصنّفین کے گنج گہر بار ذخیرے سے ہمہ وقت ان کی وابستگی ان کے مطالعہ کو مہمیز کرتی رہتی ہے۔ زندگی کی دوسری ذمہ داریوں کو انجام دیتے ہوئے شب و روز کے فارغ اوقات کو کتب بینی کی نذر کرنا ان کا معمول ہے۔ اس ادارے سے استفادے کی یہ صورت قابلِ رشک ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی بڑا کام انجام دیں گے۔

اس مسودہ کے مقالے نوع بہ نوع ہیں اور سابقہ تحریروں سے کہیں زیادہ خیال افروز مثالوں کے مالک ہیں۔ زیرِ تسوید تصنیف مختلف اوقات میں لکھے گئے مقالوں پر مشتمل ہے۔ ان میں خوشگوار تنوع ہے اور تفکر بھی اور اچھی بات یہ ہے کہ ان میں تکرار نہیں ہے۔ اگر چہ مسودے مختلف زمانوں میں مکمل کئے گئے اور مذاکروں میں پیش کئے گئے ہیں ان میں چند عنوانات خاصی اہمیت رکھتے ہیں، جیسے عہد حاضر میں علامہ شبلی کے منصوبوں کی معنویت، علامہ شبلی کے تاریخی مقالات، شبلی کی اردو شاعری، تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی وغیرہ۔ ان میں سب سے زیادہ معلوماتی مضمون تصانیف شبلی کے تراجم ہے۔ اس سے ناچیز بہت متاثر ہوا۔ علامہ کی تصانیف کے مختلف زبانوں میں تراجم کو بڑی کاوش سے جمع کر کے ان کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔۔ حیرت ہوتی ہے کہ علامہ کی تقریباً ہر تصنیف کا ترجمہ عمل میں آیا ہے۔ یہ اردو تصانیف کے عالمی تراجم ہیں۔ یہ اعزاز مولانا محترم کے توسط سے اردو کو حاصل ہوا ہے، اس افتخار کے لئے دنیائے لسانِ اردو علامہ شبلی کی مرہون نظر ہے۔ شبلی و اقبال کے علاوہ کسی دوسرے اہل قلم کو یہ سعادت نہ مل سکی۔ الفاروق کا ترکی، فارسی، انگریزی، عربی، ملیالم، تراجم کا شان شکوہ اردو اسلوب و آہنگ کی ہی بازگشت سے معمور ہے۔ سیرۃ النبیؐ اور

شعر العجم کے تراجم تو دنیائے دانش کے استعجاب ہیں۔ڈاکٹر محمد الیاس تبریک وتہنیت کے حقدار ہیں کہ انھوں نے ہمیں علامہ سے متعلق وافر معلومات فراہم کیں اور دامن علم کو آگہی بخشی۔

اس کتاب میں مختلف عنوانات کے وسیلے سے شبلی کے فکری اسالیب کی بازیافت ایک عمومی مطالعے کا مطالبہ کرتی ہے اور شبلی شناسی کی تشویق پیدا کرتی ہے، راقم کے خیال میں ہر تحریر اور ہر تخاطب کا ماحصل قاری کو اصل متن کی قرأت کے لئے آمادہ کر لینا ہی تقریظ وتنقید کا اعجاز ہے۔ یہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے ہنر کا عرض ہے اور جوہر بھی کہ ان کی ان تحریروں سے شبلی کے مزید مطالعے کا جذبہ درونِ دل انگڑائیاں لیتا ہے، بعد ازاں علامہ کی تحریر کا طلسم قارئین کو جگر گدازی کے اسرار سے آشنا کرتا ہے۔ شبلی کے قلم کی ساحری اور دلنوازی سے بے نیازی ممکن نہیں ہے۔سو سال گزرنے کے باوجود شبلی کے اسالیب بیان کی پیروی ناموس ادب کی پہچان بنی ہوئی ہے۔ ہم شکر گزار ہیں کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شائقین شبلی کے لئے ایک کشادہ راہ ہموار کی ہے اور علامہ کو نئے اندازِ نظر سے پرکھنے میں ہماری رہبری کی ہے۔عصر حاضر میں شبلی کی بازآفرینی کے لئے ایک نشأۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ہے اور شبلی کے افکار کی تشکیل وترتیب نو کی طرف ذی فکر اہل قلم کی توجہ نے ہماری حیرت فزائی میں اضافہ کیا ہے۔ پوری صدی شبلی واقبال کے تصورات اور تبحر سے فیضان حاصل کرتی رہی ہے۔ یہ نئی صدی ہی نہیں بلکہ طلوعِ صبح محشر تک شبلی کے صدق وصفا کی یہ گزرگاہ ہماری کامرانیوں کی نشاندہی کے لئے کافی ہے۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے حسب سعادت اس شاہراہ سے گزرتے ہوئے کچھ سنگریزے سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ ہم اس سعی کی ثمر آوری کے لئے دست بہ دعا ہیں ع:

فلک نشیں صفت مہر ہو زمانے میں

جناب شمیم طارق

ریسرچ آفیسر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ممبئی

''متعلقات شبلی'' ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کے تحقیقی تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے۔ مشمولہ

مضامین میں ایسے بھی ہیں جن میں علامہ شبلی کے علمی منصوبوں کی معنویت اور موصوف کی مدیرانہ صلاحیت کو اجاگر کرنے کے علاوہ اردو زبان وادب کے ارتقاء میں ان کی حصہ داری پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ایسے بھی جن میں علامہ شبلی کی تاریخی ادبی تصنیفات مثلاً اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر، موازنۂ انیس ودبیر اور شبلی کے جانشین وسوانح نگار علامہ سید سلیمان ندوی کی تصنیف ''حیاتِ شبلی'' پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نے تاریخ اور تاریخی مباحث پر جو کچھ لکھا ہے وہ لکھا ہی ہے، ان کی ایسی تحریروں میں بھی جن کا تعلق تاریخ سے نہیں ہے، تاریخی شعور اسی طرح گردش کرتا ہے جس طرح انسانی جسم میں خون۔ ڈاکٹر اعظمی نے ایک مضمون میں ان کی مورخانہ حیثیت پر روشنی ڈالتے ہوئے بعض ایسے حقائق پیش کئے ہیں جو کم لوگوں کے علم میں تھے۔ ایک مضمون کا عنوان ''تذکرۂ گلشن ہند اور علامہ شبلی'' ہے، جس میں نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ علامہ شبلی نے مشاہیر شعرائے اردو کے ایک قدیم تذکرے ''تذکرہ گلشن ہند'' کی تصحیح وتدوین کا جو اصول وطریقۂ کار متعین کیا تھا بعد میں وہی اصول وطریقۂ کار قدیم تذکروں اور نادر کتابوں کی تدوین وتصحیح کے صحت مند رجحان کی تقویت ومقبولیت کا باعث بنا۔ سرسید وشبلی کی رفاقت اور پھر شبلی کی علی گڑھ سے علاحدگی پر حاشیہ آرائی ہوتی رہی ہے، اس مجموعے میں اس موضوع پر بھی ایک مضمون ہے جس کا عنوان ہے ''علامہ شبلی علی گڑھ میں''، لیکن اس مضمون میں تنازعات سے دامن بچاتے ہوئے ساری توجہ اس پر صرف کی گئی ہے کہ علی گڑھ میں علامہ شبلی نے کیا علمی کارنامے انجام دیئے۔ علامہ شبلی کی تصنیفات اور تراجم کے عمومی تعارف اور عالم اسلام میں ان کی قدر دانی پر بھی ایک ایک مضمون اس کتاب میں شامل ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں مضامین ہی کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ علامہ شبلی کی شخصیت عالمی شخصیت تھی اور ان کی تصنیفات کی اہمیت کو کسی خاص خطہ ارض، زبان یا عہد تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شخصیت کو منور کرنے کے علاوہ ان کی تصنیفات کے حروف کو بھی اتنا روشن کر دیا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی آب وتاب میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔

الیاس اعظمی نے ایک مضمون میں اس پاکیزہ موضوع کا بھی احاطہ کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سیرۃ النبیؐ کے مصنف کی سیرت وشخصیت کے ایک ایسے پہلو کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے

جس کو نظر انداز کیا گیا تھا، مجموعی طور پر یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتاب ''متعلقات شبلی'' اگرچہ مختلف موقعوں پر الگ الگ موضوعات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ ہے لیکن اس مجموعے کا بنیادی مقصد سیرت نگار، مورخ، متکلم، محقق، تنقید نگار، مدیر، منتظم، شاعر اور انشاء پرداز علامہ شبلی کی روشن شبیہ کو داغدار کرنے کی شعوری کوشش کرنے یا علمی اختلاف اور ذاتی عناد کی حد فاصل کو پامال کرنے والوں کو حقیقت سے روشناس کرانا ہے۔

ممکن ہے ڈاکٹر الیاس پر وہی الزام عائد کیا جائے جو علامہ شبلی نے ''حیات جاوید'' کے مصنف پر آل احمد سرور اور رشید احمد صدیقی نے ''حیات شبلی'' کے مصنف پر عائد کیا تھا یعنی ''مدلل مداحی'' کا الزام۔ لیکن اس الزام سے کیا اس حقیقت کی ان دیکھی کی جا سکتی ہے کہ تحقیق وتنقید میں اگرچہ کوئی حرف، حرف آخر نہیں ہوتا۔ شبلی کی تحقیق وتنقید بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے لیکن تحقیق وتنقید کے نام پر شبلی کی ذات اور تصنیفات پر الزامات عائد کرنے والوں میں سے بعض نے جو غیر سنجیدہ، غیر علمی روش اختیار کی ہے وہ بھی دائرۂ بحث سے باہر نہیں ہے۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر الیاس کا یہ مجموعۂ مضامین یا کتاب ایک اہم ضرورت کی تکمیل ہے۔

شبلی کی تصانیف پر اعتراضات ہوتے رہے ہیں۔ ان کی زندگی میں بھی ''سیرۃ النبیؐ'' کے بعض اندراجات کی بنا پر مخالفت کا جو طوفان اٹھا تھا اس سے بھوپال کی گرانٹ ہی بند ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کی عظیم الشان خدمات اور تمام تر علمی ادبی فتوحات کے باوجود وہ تکفیر کے فتوؤں کا بھی سامنا کر چکے تھے، مگر ان سب کے باوجود شبلی کی عظمت اور ''سیرۃ النبیؐ'' کی بلند پایہ علمی تاریخی حیثیت کا کون منکر ہو سکتا ہے۔ ''اورنگ زیب عالمگیر'' اور ''موازنہ انیس ودبیر'' پر مسلسل کچھ نہ کچھ لکھا جا تا رہا ہے لیکن جو کچھ لکھا جا تا رہا ہے ان میں بشمبھر ناتھ پانڈے اور ڈاکٹر اوم پرکاش پرساد کی تصانیف کی صورت میں شبلی کے موقف کی تائید بھی ہوتی رہی ہے۔ اگر یہ ضروری ہے کہ بحیثیت مورخ شبلی کے مقام ومرتبے کا تعین کیا جائے یا تاریخ نگاری کے اصولوں کی بنیاد پر اورنگ زیب عالمگیر کے بارے میں شبلی کے موقف کو پرکھنے کی کوشش کی جائے تو کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ اورنگ زیب کے بارے میں شبلی کے موقف کا رد کرنے والوں کے پیش کردہ ماخذ اور طرز استدلال کو بھی انہی اصولوں پر پرکھا جائے؟

’’موازنہ انیس ودبیر‘‘ شبلی کی اہم ادبی تنقیدی تصنیف ہے۔ تمام اردو والوں کو شبلی کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ شبلی کی اس کتاب سے مرثیے کی صنف کو نہ صرف ادب میں باوقار حیثیت حاصل ہوئی بلکہ تقابلی مطالعے کا بھی آغاز ہوا، مگر ہو یہ رہا ہے کہ شبلی کی اس کتاب کو ہی نہیں ان کی شخصیت کو بھی ہدف ملامت بنایا جارہا ہے۔ تقی عابدی نے ایک سمینار میں کہا تھا کہ

> ’’جی ہاں اور کتابیں موازنہ کی رد میں لکھی گئیں، ایک کتاب ہے ’’ردالموازنہ‘‘ فضل علی کی جو تقریباً ساٹھ، ستر صفحے کا کتابچہ ہے، اگر آپ چاہیں تو فوٹو کاپی آپ کو بھیج دوں گا، دوسری کتاب ’’المیز ان‘‘ ہے جو ساڑھے چھ سو صفحے کی ہے، لیکن مسئلہ یہی ہوا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دیا نہیں گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اکیس بائیس صفحے میں مولانا شبلی نعمانی نے اس معرکہ میں جو حملے کیے ہیں اس کا ’’المیز ان‘‘ کے چھ سو صفحات میں بھی صحیح طریقے سے جواب نہیں دیا گیا ہے۔‘‘
>
> (انیس ودبیر، ص۳۰۲)

عالمی سمینار میں ’’اینٹ کا جواب پتھر‘‘ سے دینے جیسی زبان کے استعمال سے ’’دل کا بغض‘‘ ہی نہیں ’’شکست خوردگی‘‘ کا احساس بھی عیاں ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟ سوائے اس کے کہ ابھی تک ’’موازنۂ انیس ودبیر‘‘ کا کوئی جواب نہیں دیا جاسکا تو آئندہ کیا دیا جاسکے گا؟ یا یہ کہ سچ کا کوئی جواب ہو ہی نہیں سکتا۔

مندرجہ بالا اقتباس میں بھی اس سچائی کا اعتراف موجود ہے جس کو جھٹلانے کی منظّم کوشش کی جاتی رہی ہے۔ دوسروں نے بھی بار بار یہ سچائی دوہرائی ہے کہ ’’موازنۂ انیس ودبیر‘‘ کو مسترد نہیں کیا جاسکتا، یہ شبلی کی تنقیدی بصیرت کا شاہکار ہے، مثلاً پروفیسر گوپی چند نارنگ کا اسی سمینار میں کہا ہوا یہ جملہ بھی اسی کتاب میں درج ہے جس میں ’’اینٹ کا جواب پتھر سے‘‘ نہ دینے پر یاس وحسرت میں ڈوبا ہوا تقی عابدی کا بیان درج ہے:

> ’’کبھی کبھی کوئی مدلل تنقید اگر غلط حقائق پر مبنی ہے تو وہ بھی گمراہ کرتی ہے۔ ایک مدت تک یہ بات سمجھی جاتی رہی کہ ’’موازنہ انیس ودبیر‘‘ سے بہتر مرثیے کا کسی نے جائزہ نہیں لیا ہے، حالی نے بھی نہیں لیا، اس کے رد میں کتابیں لکھی گئیں،

گویا تنقید سے اگر کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو ان کو صحیح کرنے کی کوشش بھی تنقید کے ذریعے ہوتی ہے، جیسے المیزان، ردالموازنہ، لیکن شاید مجھ سے کوتاہی سرزد نہ ہوگی اگر میں کہوں کہ ان دونوں کتابوں کے باوجود موازنہ کا دباؤ اردو تنقید کی روایت پر برابر رہا جو شبلی نے کہہ دیا وہ سکۂ رائج الوقت ہوگیا۔''

(انیس و دبیر، ص ۳۳۵)

مجموعی طور پر علامہ شبلی اور نگارشات شبلی کا مطالعہ کرنے والوں نے جو رائے قائم کی ہے اس سے شبلی کی علمی شخصیت کافی نمایاں صورت میں سامنے آچکی ہے۔ شیخ محمد اکرام نے بہت پہلے لکھا تھا:

''ہماری قومی زندگی میں مجموعی طور پر ان (سرسید) کا جو مقام ہے، وہ کسی اور کا نہیں ہوسکتا، لیکن اس سے علامہ شبلی کی عظمت میں کمی نہیں ہوتی، وہ سولہ برس سرسید کے رفیق کار رہے اور انھیں سرسید کا ہاتھ بٹانے اور ان سے مستفید ہونے کے غیر معمولی مواقع ملے، لیکن قومی تاریخ میں ان کی حیثیت ثانوی نہیں، انھوں نے کام کو آگے بڑھایا، اس کی بنیادیں مستحکم کیں اور کئی منزلوں میں سرسید سے آگے نکل گئے۔ اب علم و فضل کے میدان میں علامہ شبلی کی برتری ظاہر ہے لیکن قوم کی فکری تاریخ میں بھی ان کا مرتبہ کسی سے کم نہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے ''شبلی کی بات سرسید کی بات سے زیادہ مختلف نہیں تھی، مضمون کا فرق کم ہے، لب ولہجہ کا فرق زیادہ ہے۔'' لیکن جیسا کہ انھوں نے آگے چل کر وضاحت کی ہے، معاملہ صرف لب ولہجہ کا نہیں، بنیادی پالیسی اور طریق کار کا بھی ہے۔ ''شبلی قدیم روایات کے پاسدار اور قومی مزاج کے شناسا تھے''۔ انھیں جدید تقاضوں کا احساس تھا۔ وہ علم الکلام کو نئے سرے سے ترتیب دینا چاہتے ہیں لیکن انھیں اس پر اصرار ہے کہ ''بزرگان سلف کے مقرر کردہ اصول کا سررشتہ کہیں ہاتھ سے نہ جانے پائے۔''، شبلی صحیح معنوں میں ذوجہتین تھے، وہ نہ صرف علی گڑھ تحریک کے ''رکن رکین'' تھے بلکہ جب ۱۸۹۴ء میں ندوۃ العلماء کا

پہلا باقاعدہ اجلاس ہوا تو اس کے بھی ''جزو غالب'' ہوگئے۔ وہ جدید گروہ اور علماء دونوں کا نقطۂ نظر جانتے تھے اور بیچ کی راہ اختیار کر سکتے تھے۔

شبلی کے معتدل طریقہ کار کا یہ نتیجہ ہوا کہ اگر چہ بعض مسائل پر انھوں نے بالآخر سکوت ہی مناسب سمجھا لیکن انھوں نے جو لکھا اس کے بیشتر حصے کو قبول کا درجہ حاصل ہوا اور ان کی بدولت نہ صرف جدید کی بعض باتیں قوم کی فکری زندگی کا جزو ہو گئیں بلکہ قدیم سے بھی تسلسل برقرار رہا۔'' (یادگار شبلی، ص ۱۶)

لیکن شبلی کے بارے میں ان کی رائے آج بھی اتنی ہی با معنی ہے جتنی پہلے تھی۔

سلاست ومتانت ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تحریروں کی روح ہے۔ متعلقات شبلی میں شامل ان کے مضامین میں اگر چہ بعض کی حیثیت جواب الجواب کی ہے اور بعض کی شبلی اور دبستانِ شبلی کی ترجمانی کی، اس کے باوجود زبان وبیان کی سلاست اور لب ولہجے کی متانت پر کہیں حرف نہیں آیا ہے۔ میں اس کو شبلی اور دبستان شبلی کا ہی فیضان سمجھتا ہوں ڈاکٹر الیاس، شبلی، نگارشات شبلی دبستانِ شبلی اور دارالمصنّفین پر نہ صرف مسلسل لکھ رہے ہیں بلکہ بہت اچھا لکھ رہے ہیں، دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات کے بارے میں ان کی جو کتاب خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری (پٹنہ) نے شائع کی ہے اس میں بہت اہم معلومات جمع ہوگئی ہیں۔ امید ہے کہ علمی حلقے میں ان کی یہ کتاب بھی مقبول ہوگی، یہ کتاب شبلی شناسی کا ایک اہم دریچہ ہے۔

ڈاکٹر احمد علی برقی

بخش فارسی، آل انڈیا ریڈیو دہلی

''متعلقات شبلی'' ہے اک گنج شایگاں
الیاس اعظمی کا جو ہے نقش جاوداں

گلہائے رنگا رنگ کا گلدستہ حسیں
ہے یہ کتاب شبلی شناسی کی داستاں

شبلی کے کارناموں کا کوئی نہیں جواب
سارے جہاں میں پھیلے ہیں شبلی کے قدرداں

شبلی جہان شعر و ادب میں وہ نام ہے
جس کے بغیر ادھوری ہے اردو کی داستاں

ان ناقدین شبلی کا اس میں جواب ہے
بے وجہ جو اٹھاتے ہیں شبلی پہ انگلیاں

حاصل ہو اس کتاب کو برقی قبول عام
پہنچے وہاں یہ رہتے ہیں اہل نظر میں

---

[۲]

کتابیاتِ شبلی

جناب محمد عارف اقبال

ایڈیٹر: ماہنامہ اردو بک ریویو، دہلی

علامہ شبلی نعمانی [یکم نومبر ۱۸۵۷ء-۱۸/نومبر ۱۹۱۴ء] کے صد سالہ یوم وفات کا سال ۲۰۱۴ء ہے۔ شبلی اکیڈمی کے ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی علامہ شبلی کی وفات کے سو سال مکمل ہونے پر شبلی شناسی کے لیے علمی وادبی پروگرام کو یقینی بنانے کی کوشش کریں گے۔ اس موقع پر علامہ شبلی کے علمی، ادبی اور فکری کارنامے کو اہل علم ودانش کی جانب سے اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ علامہ شبلی کی اردو، عربی اور فارسی کتب کی اشاعت ۱۸۸۷ء سے جاری ہے جب کہ وہ حیات تھے اور بعض کتابیں علامہ شبلی کے انتقال کے بعد شائع ہوئیں۔ علامہ شبلی کی چند کتابوں کے انگریزی کے ساتھ بنگالی، پشتو، تاجک، ترکی، تمل، عربی، فاسی، کنڑ، مراٹھی اور ملیالم زبانوں میں ترجمے بھی کیے گئے۔ علامہ شبلی کے مضامین، مقالات اور خطبات کی اشاعت کو بھی یقینی بنایا۔ علامہ شبلی کی عبقری شخصیت کی فکری، علمی اور ادبی جہات پر اہل علم ودانش نے مطالعات کا سلسلہ شروع کیا تو مختلف النوع موضوعات پر مضامین کے ڈھیر لگا دیئے۔ معتبر رسائل و جرائد نے خصوصی نمبرات شائع کیے۔ محققین کی جانب سے مضامین و مقالات کا سلسلہ شروع ہوا تو علامہ شبلی کی فکری، علمی اور ادبی جہات کو متعین کرتے ہوئے اثرات ومعنویت، اردو زبان و ادب، اردو شاعری، اساتذہ شبلی، اسلوب نگارش، اشاریہ شبلی، اشخاص، رجال، بحیثیت ادیب و انشاپرداز، مصنف، مؤرخ محقق ونقاد، تذکرہ، حیات، خدمات، تصنیفات کے تراجم، تعلیمات، تلامذہ، حالی

اور شبلی ، دریافت باقیات شبلی ، سرسید، شبلی اور علی گڑھ ، سوانح نگاری، شبلی کا دیگر اہم شخصیات سے تقابلی مطالعہ، فکر ونظر، عربی زبان وادب ، فارسی شعر وادب ، قرآنیات ، عالم اسلام، مکاتیب اور دیگر بہت سے اہم موضوعات، عنوانات اور جہات پر تحقیقی وتنقیدی مقالے ومضامین ہند و پاک کے بے شمار موٴقر رسائل وجرائد میں لکھے گئے ۔ چند مضامین انگریزی اور ہندی میں بھی لکھے گئے ۔

جدید عالمی بک انڈسٹری میں کتابیات [Bibliography] اور اشاریہ سازی [Indexing] کے علوم کو بڑی اہمیت حاصل ہے ۔ ان کے یہاں انسائیکلو پیڈ کے کام پر بھی خصوصی توجہ دی جاتی ہے ۔ عالمی بک انڈسٹری کے ناشرین میں یہ جذبہ بدرجہ اتم پایا جاتا ہے کہ ان کی شائع کردہ کتابوں کو قارئین [Readers] کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید تر بنانے کی کوشش کی جائے تا کہ ہر درجے کے قارئین اپنی سہولت اور مقصد کے مطابق کتاب سے مستفید ہوں ۔ افسوس کہ اردو ناشرین کتب کی اکثریت میں ابھی بھی یہ جذبہ مفقود ہے ۔ تاہم لائبریری سائنس کے فروغ کے سبب اردو کے چند اسکالرز اور مصنفین اپنی کتابوں میں کتابیات اور اشاریے کا اہتمام ضروری خیال کرنے لگے ہیں ۔ اردو کے رسائل وجرائد کے اشاریے کی ترتیب کے رجحان میں بھی اضافہ ہوا ہے ۔

زیر نظر کتاب ''کتابیات شبلی'' عہد حاضر کے ایک بیدار مغز اور مخلص اسکالر ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی [پ: ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۶ء] ''شبلیات'' کے شناور ہیں ۔ ''متعلقات شبلی'' ان کی اہم کتاب تصور کی جاتی ہے ۔ انہیں ماہنامہ الرشاد اعظم گڑھ کے اشاریہ کی ترتیب کا بھی تجربہ ہے ۔ ان کا احساس بجا ہے کہ اشاریہ و کتابیات کے بغیر بڑے علمی وتحقیقی کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتے ۔ خاص طور پر ایسی شخصیات کے مطالعے میں جن کا دائرہ اثر وسیع ، متنوع اور کثیر الجہات ہو ۔ انہوں نے مزید لکھا ہے کہ کتابیات شبلی کا آغاز ماہنامہ آج کل دہلی کے جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے سے ہوا اور احمد اسحاق نعمانی نے ''مقالہ نما برائے شبلی'' کے عنوان سے چند صفحات کا اشاریہ تیار کیا تھا ۔ لیکن سب سے اہم کام ڈاکٹر سفیر اختر ، مدیر نقطہ نظر ، اسلام آباد [پاکستان] نے انجام دیا اور ان کی کتاب ''کتاب نامہ شبلی'' کے عنوان سے ۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع ہوئی ۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمد ضیاء الدین انصاری اور دیگر اسکالرز کے اشاریے مختلف رسائل وجرائد میں شائع ہوئے ۔ لیکن جس

تیزی سے شبلیات سے دل چسپی رکھنے والوں کے مقالے اور مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اس بنا پر ضرورت تھی کہ ان اضافات اور قدیم اشاریوں کی تحقیق و تنقیح کے ساتھ جدید انداز میں ایک جامع اشاریہ مرتب کیا جائے۔ ''کتابیات شبلی'' دراصل اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

زیر نظر کتاب 'کتابیات شبلی' سے اہل علم و دانش اور محققین کو ایک بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ کن کن موضوعات پر اب تک کام ہو چکا ہے اور شبلیات کے ذخیرے میں اب کن جہات سے اضافے کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ فاضل مرتب نے عہد حاضر کے تمام ممکنہ ذرائع کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس کے باوجود ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ کتابیات شبلی اب تک تمام کوششوں سے زیادہ جامع ہے لیکن اسے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ فاضل مرتب نے اس کتاب میں اردو کے ساتھ دیگر زبانوں میں ہونے والے کام کی نشاندہی کرتے ہوئے ۱۰۷۱ شبلیاتی ذخیرے کا پتہ لگایا ہے۔ انہوں نے کل ذخیرے کو موضوع کے اعتبار سے اس طرح تقسیم کر دیا ہے کہ فوری طور پر یہ معلوم کرنا آسان ہے کہ کس موضوع کے تحت کن عنوانات پر کام کیا گیا ہے۔ مثلاً ''شبلی اور مغرب'' کے موضوع پر سات مقالات و مضامین کی فہرست مکمل حوالوں کے ساتھ درج ہے اور شبلیات کے ذخیرے میں اس کی ترتیب ۱۰۹۸ سے ۱۱۰۶ تک ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنفین، مترجمین، مقالہ نگاروں کا الفبائی اشاریہ شامل ہے جس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔ اس کتاب میں شبلیات کے ذخیرے کا اندازہ کرنے کے لیے بڑی حد تک مکمل اور upto-date فہرست ہے۔ کتابیات اور اشاریہ سازی کے ذیل میں علامہ شبلی کے حوالے سے یہاں اس بات کا ذکر شاید غیر مناسب نہیں ہے کہ کسی بھی اہم شخصیت پر لکھی گئی کتاب اور مضمون کا اندازہ کرنا قدرے آسان ہوتا ہے لیکن تحقیق کی ایک جہت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مطلوبہ شخصیت پر اگر کسی اسکالر نے اپنی کسی کتاب میں دو جملے کا تذکرہ یا ایک پیرا لکھا ہے تو اس کا احاطہ کیونکر کیا جا سکتا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ مطلوبہ شخصیت کی علمی، فکری اور ادبی خدمات پر وہ کتاب لکھی گئی ہو لیکن اس کتاب کے بین السطور میں مطلوبہ شخصیت کے کارنامے کا ذکر کیا گیا ہو۔ علامہ شبلی کی عبقری شخصیت یقینی طور پر اس درجے پر فائز رہی ہے کہ ان کو اسکالرز اپنی کتابوں میں کہیں نہ کہیں کوٹ [Quote] کریں، اگر اس اعتبار سے

بھی کوئی اشاریہ تیار کیا جائے تو یہ کام بھی شبلیات کے ذخیرے میں بے حد اہمیت کا حامل ہوگا۔

[اردو بک ریویو دہلی، جنوری-فروری ۲۰۱۲ء]

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی

ڈائرکٹر: دارالمصنّفین اعظم گڑھ

علم وتحقیق کے میدان میں کتابیاتی لٹریچر کی اہمیت، ضرورت اور افادیت اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ دور حاضر میں کتابیات اور اشاریہ سازی کے فن میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے اور علمی موضوعات پر جس طرح کا معیاری کتابیاتی مواد محققین کی دست رس میں ہے اور اس کی وجہ سے زیر بحث موضوع پر مطلوبہ معلومات تک رسائی جس حد تک آسان ہوگئی ہے اس سے بھی اہل علم ناواقف نہیں ہیں۔ چنانچہ کسی علمی وتحقیقی موضوع پر کام کرنے والا اسکالر آسانی سے یہ معلوم کرسکتا ہے کہ زیر بحث موضوع پر اب تک کس قدر کام ہو چکا ہے اور وہ کہاں دستیاب ہے۔اس سے مواد کی تلاش وجستجو کا کام بہت کچھ آسان ہو جاتا ہے۔اس سے نفس تحقیق کے معیار اور انداز پر جو اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس میں جو گہرائی اور گیرائی پیدا ہو جاتی ہے اور محققین مواد کی تلاش میں جس کوہ کنی سے بچ جاتے ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔خوشی کی بات ہے کہ اردو زبان میں بھی یہ روایت مضبوط ہو چکی ہے اور اب مختلف موضوعات پر قیمتی کتابیاتی لٹریچر دستیاب ہے۔

مولانا شبلی کی علمی، تحقیقی، ادبی اور ملی خدمات کی وجہ سے ان کی حیات اور کارناموں کے بارے میں خود ان کی زندگی میں بہت کچھ لکھا گیا اور اس کے بعد مسلسل لکھا جاتا رہا ہے۔ اگرچہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف اسباب کی وجہ سے جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ان پر اتنا کام نہیں ہوسکا جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے۔اس کے باوجود ان کی گوناگوں خدمات کے بارے میں گذشتہ تقریباً ایک صدی کے عرصہ میں جو کچھ لکھا گیا وہ کمیت اور کیفیت دونوں لحاظ سے بہت وقیع ہے۔واقعہ یہ ہے کہ میر کارواں سرسید علیہ الرحمہ کے علاوہ ان کے رفقاء اور معاصرین میں کسی

اور کے سلسلہ میں اتنا کام شاید ہی ہوا ہو۔

اس موضوع پر اس سے پہلے بھی کئی اشاریے شایع ہو چکے ہیں جو بجائے خود اس کی مقبولیت کی دلیل ہیں ۔اس سلسلہ کا آخری اشاریہ ۲۰۰۲ء میں شایع ہوا تھا اور اس پر بھی اب کافی عرصہ گذر چکا ہے اور اس دوران مولانا کی حیات اور خدمات پر بہت کچھ نیا لٹریچر سامنے آچکا ہے۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ ایک نیا اور مکمل اشاریہ تیار کیا جائے جو موضوع کے تمام ممکنہ گوشوں کا احاطہ کر سکے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہ صرف اس موضوع پر سامنے آنے والے نئے لٹریچر کا احاطہ کیا ہے بلکہ بڑی محنت اور دقت نظر سے ان بہت سی پرانی تحریروں کا بھی سراغ لگایا ہے جو ماہ وسال کی گرد کے نیچے دب کر نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں اور اس موضوع پر شایع ہونے والے اشاریے ان کے ذکر سے خالی تھے۔ ان میں خود مولانا کی بعض تحریریں بھی شامل ہیں اور ان سے متعلق تحریریں بھی ۔اس کی وجہ سے اس کی قدر و قیمت میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا ہے۔ قدر شناسان شبلی کے لئے یہ بلا شبہ ایک قیمتی تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ یہ مولانا شبلی کی حیات اور خدمات کے موضوع پر اہل علم کی دلچسپی میں اضافہ کا باعث ہوگا۔

پروفیسر خورشید نعمانی

شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی

علامہ شبلی نعمانیؒ نابغہ عصر اور یگانہ روزگار تھے۔ ایسی جامع کمالات ہستی صدیوں میں پیدا ہوتی ہے۔ علم وفضل کے اعتبار سے وہ اپنے معاصرین میں بلند اور ممتاز مقام رکھتے تھے۔ وہ فارسی وعربی کے متبحر عالم تھے۔ اردو کے مایۂ ناز ادیب ومصنف تھے۔ مذہبی علوم کے ماہر بھی تھے اور جدید علوم سے آشنا، نئے علوم کے واقف کار بھی۔ علمی میدان میں محقق بھی تھے، ناقد بھی، شاعر و ادیب بھی، مورخ بھی، مصلح قوم وملت بھی اور سیاسی بھی۔ ان کی تصانیف کا مطالعہ اس مصرعہ کی عملی تفسیر ہے:

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شیخ محمد اکرام نے اپنی کتاب ''موج کوثر'' میں شبلی کے بارے میں صحیح لکھا ہے:

''آخر حالی، آزاد، محسن الملک اور وقار الملک کتنے آسمانوں کے تارے تھے، ایک یا دو یا تین کے۔ ان میں شبلی کی بوقلمونی کہاں سے آئے گی جو رندوں میں رند، زہاد میں زاہد، نثاروں میں نثار، شعراء میں شاعر، معلموں میں معلم، مورخوں میں مورخ، سیاست دانوں میں سیاسی، اردو میں عشقیہ خطوط کے بانی، تعلیم میں نئی روشنی کے آموزگار، علمی تصنیف و تالیف کے میدان میں ہماری زبان کے سب سے بانکے شہسوار! قلیل مدت حیات اور کمزور صحت کے باوجود شبلی نے جو کچھ کر دکھایا کیا وہ ایک معجزہ سے کم نہیں؟

دبیرم، شاعرم، رندم، ندیمم، شیوہ ہا دارم
گرفتم رحم بر فریاد و فغانم نمی آید (۱)

علامہ شبلی نے تصنیف و تالیف کو مؤثر بنانے کی خاطر ایک قومی کتب خانہ اعظم کی ضرورت پر ہمیشہ زور دیا، جس میں مسلمانوں کے مذہب، مسلمانوں کے علوم، مسلمانوں کی قومی تاریخ کو زندہ رکھنا ہے تو ضرورت ہے کہ ایک اچھا کتب خانہ قائم کیا جائے جس میں علوم مذہبی کے متعلق نادر بیش بہا تصانیف موجود ہوں جس میں مسلمانوں کے خاص ایجاد کردہ علوم وفنون کا کافی سرمایہ ہو، جن میں ہر فن کے متعلق وہ تمام کتابیں موجود ہوں جو اس فن کے دور ترقی کے مدارج ہیں جس میں قدماء کے عہد کی یادگاریں ہوں اور ان سب باتوں کے ساتھ یہ کتب خانہ کسی کا ذاتی نہ ہو بلکہ وقف عام ہو تا کہ ہندوستان کے مسلمان بالخصوص مصنّفین اور اہل قلم اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔'' (۲)

ان کا خیال تھا کہ یہ کتب خانہ ایسا ہو جس میں کثرت تعداد ہی پر نظر نہ رکھی جائے بلکہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ جس فن کی کتاب ہو نادر اور کمیاب ہو جو مصنف کے انتخاب، استنباط اور اقتباس کے کام آئے۔

اس بات کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ایک مکتوب میں

یہاں تک لکھا ہے تصنیف یا تالیف کے وقت اگر حوالہ کی کتابیں نہ ہوں تو میں دو جملہ بھی نہیں لکھ سکتا۔

مندرجہ بالا جملہ کی عملی تفسیر یہ ہے کہ الفاروق اور سیرۃ النبی ﷺ کی تکمیل کے لئے ہندوستان کے کتب خانوں سے استفادہ کے باوجود مولانا شبلیؒ نے روم ومصر وشام کا سفر کیا۔ وہاں کے کتب خانوں کو چھانا اور اپنی تصانیف میں ان تمام مراجع، مآخذ اور مواد کے حوالے دیے جو کہ ان کے معاصرین کے یہاں نہیں پائے جاتے ہیں۔ اسے ان کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے۔

''کتابیات شبلی'' مرتبہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی اس وقت میرے پیش نظر ہے۔ فاضل مرتب کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ اس وقت تک ۱۲ر تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں جن میں (۱) علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ (۲) دارالمصنفین کی تاریخی خدمات (۳) شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات (۴) عظمت کے نشاں (۵) متعلقات شبلی اہم ہیں۔ اس کے علاوہ اور کئی کتابیں زیر طبع ہیں۔

ان کی ایک تالیف ''اشاریہ الرشاد'' ماہانہ (جامعۃ الرشاد اعظم گڑھ) کا اشاریہ ہے جسے ان کی اشاریہ سازی کی ابتدا کہا جاسکتا ہے اور موجودہ ''کتابیات شبلی'' کو اس کی انتہا۔

کتاب کی ابتداء میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ڈائرکٹر دارالمصنفین اعظم گڑھ کا حرف آغاز ہے جس میں انہوں نے علم وتحقیق کے میدان میں کتابیاتی لٹریچر کی اہمیت اور افادیت اور دور حاضر میں اس کی روز افزوں ضرورت پر روشنی ڈالی ہے اور ڈاکٹر اعظمی کی کتاب کو قدر شناسان شبلی کے لئے بلاشبہ ایک قیمتی تحفہ سے تعبیر کیا ہے۔

ہمارے تحریری سرمائے میں شبلیات کا وافر ذخیرہ موجود ہے جو کہ قدر شناسان شبلی کا ایک اہم موضوع رہا ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے مولانا شبلیؒ جیسی کثیر الجہات ہمہ گیر اور عہد آفریں شخصیت پر اس کام کا بیڑا اٹھایا وہ لکھتے ہیں:

> ''ضرورت ہے کہ اس کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے اور دکھایا جائے کہ علامہ شبلی کے کارناموں کی اہمیت اور معنویت کیا ہے اور ہماری علمی، تہذیبی اور تمدنی زندگی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں؟''۔ (۳)

کتاب کی تدوین سے متعلق مرتب کتاب ہٰذا کی یہ تحریر ملاحظہ ہو جس سے شبلی پر تحقیقی یا کسی اور نوعیت سے کام کرنے والے بیش از بیش استفادہ کر سکتے ہیں۔

''ہر مقالے کا ایک نمبر شمار درج کیا گیا ہے جس کی تعداد ۱۷۰۱ (سترہ سو ایک) ہے۔ اشاریہ مصنفین چہارم میں یہی نمبر دیے گئے ہیں تا کہ مصنف یا مقالہ نگار کی کاوش بہ آسانی تلاش کی جا سکے۔ اس مستقل نمبر شمار کے ساتھ ایک ذیلی نمبر بھی بریکٹ میں دیا گیا ہے جو ذیلی عنوان کا نمبر ہے جس سے اکثر ذیلی عنوان پر لکھی جانے والی کتب، تراجم اور مضامین کی تعداد معلوم ہو جاتی ہے۔ کتب و مضامین کی دیگر اشاعتوں کا ذکر بھی اصل نمبر شمار کے ساتھ ہی کر دیا گیا ہے۔ یہ تمام اندراجات الف بائی ترتیب پر ہیں۔ اس طرح موضوع اور مصنف دونوں لحاظ سے بآسانی مواد تک پہونچا جا سکتا ہے''۔ (۴)

مولانا شبلی پر ۲۰۰۲ء تک ۴ / ایسے اشاریے ترتیب دئے گئے ہیں جو کہ نقش اول کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ''کتابیات شبلی'' دراصل ان اشاریوں کی تحقیق و تنقیح کے ساتھ ساتھ جدید انداز میں ایک جامع اشاریہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

''کتابیات شبلی'' چار حصوں پر مشتمل ہے، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

[۱] حصہ اول

یہ حصہ صفحہ ۱۵ سے ۴۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس حصے میں علامہ شبلی کی تمام تصنیفات و تالیفات، تراجم اور تلخیصات کا اشاریہ ہے۔ اس میں علامہ شبلی کی تحریروں سے مرتب کی گئی کتب (مدونہ کتب) اور ان کے مضامین و مقالات کا بھی اشاریہ ہے۔ علامہ شبلی کی تصنیفات کے مختلف زبانوں میں اور متعدد ممالک میں جو ترجمے ہوئے ان کی تفصیل بھی اسی حصہ میں ہے۔

اس میں مولانا شبلی کی مجموعی کتب (جن کا نام طوالت کی وجہ سے نظر انداز کیا جا رہا ہے۔) کے نام ہیں جن میں ۳۱ / اہم اردو کتب جن کے کئی کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں، ان کی تفصیل ہے۔ اس میں ۴ / عربی، ۷ فارسی، ۶۴ مدونہ کتب و رسائل، تلخیص تصنیفات شبلی ۲۰ عدد، تراجم تصنیفات شبلی کے ضمن میں ۴ اردو ترجمے، ۱۱۶ انگریزی ترجمے، ۳ بنگالی ترجمے، ۷ پشتو تراجم،

ایک تاجک ترجمہ،۴ ترکی ترجمے، ایک تمل ترجمہ،۴ عربی ترجمے، ۲۰ فارسی ترجمے، ایک کنڑ ترجمہ، ایک مراٹھی ترجمہ اور ایک ملیالم ترجمہ شامل ہیں۔

۲۱۸ مضامین ومقالات اور خطبات شبلی بھی شامل ہیں۔

[۲] دوسرا حصہ

''مطالعات شبلی'' پر محیط ہے جو کہ ص ۷۵ سے ۲۷۱ صفحات پر مشتمل ہے جس میں ۴۵ کتب، دس مقالات کے مجموعے، ۱۱ رسائل کے خصوصی شمارے، ۱۳۰ ایم.اے.، ایم فل.اور پی ایچ. ڈی. کے مقالات، مضامین ومقالات (باعتبار موضوعات) یہ ہیں۔

اثرات ومعنویت پر ۱۱/عدد، اردو زبان وادب پر ۸ عدد، اردو شاعری پر ۵۹/عدد، اساتذہ شبلی پر ۳ عدد، اسلوب نگارش پر ۱۰ عدد، اشاریہ شبلی ۸ عدد، اشخاص ورجال ۳۱ عدد، بحیثیت ادیب وانشاپرداز ۳۱ عدد، بحیثیت مصنف ۸ عدد، بحیثیت مورخ ۲۰ عدد، تحقیق وتنقید ۴۵ عدد، تذکرہ حیات وخدمات ۱۳۵/عدد، تصنیفات کے ترجمے ایک عدد، تعلیمات پر ۱۴ عدد، تلامذہ ۱۹ عدد، حالی اور شبلی ۱۳ عدد، حیات شبلی ۱۶ عدد، خراج عقیدت (منظوم) ۵۲ عدد، دریافت ۱۴ عدد، سرسید اور علی گڑھ ۲۵ عدد، سوانح نگاری ۱۱/عدد، سیاسیات ۲۱/عدد، شبلی، اقبال اور محمد علی ۹ عدد، شبلی اور ابوالکلام ۱۱/عدد، شبلی اور اعظم گڑھ ۴/عدد، شبلی اور انجمن ترقی اردو ۳/عدد، شبلی اور مغرب ۷ عدد، شبلی اور بھوپال ایک عدد، شبلی اور جنجیرہ ایک عدد، شبلی اور حیدرآباد ۳ عدد، شبلی اور عالم اسلام ۳ عدد، شبلی اور ندوہ ۲۰ عدد، شخصیت اور کمالات ۲۹ عدد، عربی زبان وادب ۲۲ عدد، فتنہ تکفیر ۶ عدد، فکر ونظر ۲۴ عدد، قرآنیات ۵ عدد، مطائبات شبلی ۲ عدد، یادگار شبلی ۴۴ عدد پر مشتمل ہیں۔

[۳] حصہ سوم

تنقید وتجزیہ تصانیف شبلی پر مشتمل ہے۔ یہ ۲۷۷ صفحہ سے ۲۳۲ صفحات پر محیط ہے۔

اسکات المعتدی علی انصات المقتدی ۱/عدد، الانتقاد ۴/عدد، الجزیہ ۲/عدد، الغزالی ۴/عدد، الفاروق ۴۲/عدد، الکلام ۸/عدد، المامون ۹/عدد، الندوہ لکھنؤ ۵/عدد، انٹرنس کورس فارسی ۲/عدد، اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر ۷/عدد، تاریخ بدء الاسلام ۵/عدد، تذکرہ گلشن ہند اور علامہ شبلی ایک عدد، خطبات شبلی ۷/عدد، خطوط شبلی ۸ عدد، دستہ گل ۲ عدد، دیوان شبلی ایک عدد، رسائل شبلی

۴عدد، سفرنامۂ مصر و روم و شام ۱۷عدد، سوانح مولانا روم ۱۳عدد، سیرۃ النعمان ۹عدد، شعرالعجم ۴۱عدد، علم الکلام ۱۲عدد، کتب خانہ اسکندریہ ایک عدد، کلیات شبلی ۲عدد، کلیات شبلی (فارسی) ۳عدد، مثنوی صبح امید ۳عدد، مجموعہ نظم شبلی ۱/عدد، مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم ایک عدد، مقالات شبلی ۲۱عدد، مکاتیب شبلی ۴۱عدد، موازنۂ انیس و دبیر ۴۹عدد، وقف علی الاولاد ۲عدد پر مشتمل ہے۔

علامہ شبلی پر انگریزی تصانیف و مضامین ۴۰عدد ہیں اور ہندی کتب و مضامین کی تعداد ۱۰ ہے۔

[۴] حصہ چہارم

اشاریہ (مصنّفین / مترجمین / مقالہ نگار) ۲۳۳ سے ۲۷۱ صفحات پر حروف تہجی کے اعتبار سے حسب ذیل ہے:

[الف]۱۱۶، [ب]۲۴، [پ]۳، [ت]۱۳، [ج]۹۲، [چ]۳، [ح]۲۱، [خ] ۲۸، [د]۹، [ڈ]ایک، [ذ]۵، [ر]۱۸، [ز]۵۵، [س]۳۵، [ش]۴۵، [ص]۲۳، [ض]۶، [ط]۴، [ظ]۹، [ع]۱۱۲، [غ]۹، [ف]۲۲، [ق]۲۳، [ک]۱۱، [گ]۶، [ل]۴، [م]۹۷، [ن]۱۵۴، [و]۱۱، [ہ]۷، [ی]۳ پر مشتمل ہے۔

۲۷۱ صفحات کی کتاب قاموسی حیثیت کی حامل ہے جس سے مرتب کے عمیق مطالعہ، تلاش و جستجو، عرق ریزی اور دیدہ سوزی کا اندازہ ہوتا ہے۔

موجودہ زمانہ میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ نے اشاریہ سازی کے کام کو کسی حد تک آسان کر دیا ہے۔ ان کی مدد سے دنیا کا ادب محققین و مصنّفین کی finger tips پر ہے، لیکن الیاس الاعظمی نے اپنی جانفشانی اور دقت نظر سے اس مشکل کام کو اپنے دماغی زہد اور دست مشقت سے آسان کر دیا ہے۔

مصنف کتاب ہذا کی اس سے قبل تصنیف ''متعلقات شبلی'' پر مرحوم مولانا ضیاء الدین اصلاحی کی یہ صائب رائے درج کی جاتی ہے جس کا اطلاق بہ نفس نفیس اس کتاب پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ''ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا تعلق سرزمین شبلی سے ہے جس کا ذرہ بھی نیر اعظم بن کر چمکتا ہے۔ انہوں نے بہت کم عرصے میں علم و ادب کی دنیا میں اپنی جو جگہ

بنائی ہے وہ بہت سے لوگوں کو برسوں کی محنت وریاضت کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتی۔ان کی تحریر وتصنیف کی عمر ابھی زیادہ نہیں ہے مگر ان کے قلم سے کئی ایسی کتابیں نکل چکی ہیں جن کی وجہ سے وہ ارباب علم و دانش کا مرکز توجہ ہو گئے ہیں۔اور گذشتہ دس بارہ برسوں میں علمی و تحقیقی مضامین کے تو اتنے انبار لگائے ہیں کہ ہند و پاکستان کا شاید ہی کوئی موقر اور قابل ذکر رسالہ ایسا ہو جوان سے متمتع نہ ہوا ہو۔ان کے خیالات میں جہاں اعتدال وتوازن ہوتا ہے وہاں تحریر میں بھی پختگی اور دلکشی ہوتی ہیں۔ان کی تحسین وتنقیص بھی غلو اور مبالغہ سے عموماً خالی ہوتی ہیں۔''(۵)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم کی اس تحسین شناسی اور اعظمی صاحب کے تصنیفی کاموں کی سمت ورفتار پر نظر رکھتے ہوئے دارالمصنّفین اعظم گڑھ کے موجودہ فعال ڈائرکٹر پروفیسر اشتیاق احمد ظلی نے انہیں تقریباً ڈھائی سال قبل ادارہ کا اعزازی رفیق نامزد کیا تھا جہاں سے ان کی یہ پہلی کاوش مطبوعات دارالمصنّفین سلسلہ وار نمبر ۱۹۸، شائع ہوکر سامنے آگئی ہے جوان کی تلاش و جستجو، عرق ریزی اور دیدہ وری کا حسین وجمیل مرقع ہے اور قدر شناسان شبلی کے لئے ایک قیمتی تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے اور علامہ شبلی کی حیات وخدمات پر تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ہے۔

حوالہ جات :

(۱) شیخ محمد اکرام ''موج کوثر''فیروزسنز لاہور ۱۹۸۷ء ص ۲۲۴

(۲) بحوالہ سہ سالہ رپورٹ ندوۃ العلماء از شبلی نعمانی مارچ ۱۹۱۰ء حیات شبلی از سید سلیمان ندوی، دارالمصنّفین اعظم گڑھ

(۳) ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ''کتابیات شبلی''دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۲۰۱۱ء ص ۹

(۴) ایضاً ص ۱۳

(۵) متعلقات شبلی، فلیپ، از مولانا ضیاء الدین اصلاحی، اعظم گڑھ، ۲۰۰۸

[ہندوستانی زبان ممبئی، اپریل- جون ۲۰۱۲ء ص ۴۲-۴۶]

شاہ عالم اصلاحی

ہفت روزہ عالمی سہارا، دہلی۔

تحقیق وتنقید میں کتابیات مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کے بغیر تحقیق کی دشوار گزار راہ آسان نہیں ہوسکتی۔کتابیات کو''تحقیق''میں اساس کی حیثیت حاصل ہے کہ اس سے نہ صرف مواد کی تلاش وجستجو میں آسانی ہوتی ہے بلکہ محققین اور ناقدین کو علم وعرفان کی نئی منزلیں بھی نصیب ہوتی ہیں۔تحقیق کی نظر کو کتابیات کی صورت میں نئے جزیرے مل جاتے ہیں اور جب بات شبلی جیسے سمندر کی ہو تو اس کے لیے تو ایسا سفینہ چاہیے ہی کہ ساحل تک پہنچنے میں دشواری نہ ہو۔

شبلی علم کے بحر بے کراں تھے۔ان کی شخصیت میں اس قدر تنوع ہے کہ ان کی ایک جہت کی جستجو بھی آسان نہیں ہے۔شاید اس تنوع کی وجہ سے شبلی پر مختلف حوالوں سے مضامین لکھے گئے ہیں۔پھر بھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ''شبلی شناسی''ہنوز تشنہ ہے۔ایسی کثیر الابعاد شخصیت پر کچھ اور ہونا چاہیے۔مقام مسرت ہے کہ کتابیات شبلی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی کا حق تو ادا نہیں کیا گیا ہے۔پھر بھی اس بے حسی اور تغافل کے دور میں غنیمت ہے کہ اجتماعی حافظے نے شبلی کو فراموش نہیں کیا ہے۔

ویسے تو''کتابیات شبلی''کی ترتیب وتنظیم کا سلسلہ کوئی نیا نہیں ہے۔اس سے پہلے بھی اس جہت میں چند اشاریات''مقالہ نما برائے شبلی''،''کتاب نامہ شبلی''،''جہان شبلی''اور آخر میں ۵۹؍صفحات پر مشتمل''منتخب کتابیات''کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔

لیکن ۲۰۰۲ کے بعد تقریباً ایک دہائی سے زائد کا طویل وقفہ ایسا گزرا ہے جس میں علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور حیات وخدمات کے متعلق پہلوؤں پر ملک اور بیرون ملک کی یونیورسٹیوں اور علمی درسگاہوں میں ہونے والے سیمینار منعقد کیے گئے۔جس سے گزشتہ ۹؍سالوں میں سرمایہ شبلیات میں اضافہ ہوتا رہا۔اس وجہ سے بڑی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ اگر ان اضافات اور قدیم اشاریوں کی تحقیق وتنقیح کے ساتھ جدید انداز مین ایک دہائی سے زائد وقفہ کے دوران علامہ شبلی کی ہمہ جہت شخصیت کے بے شمار اسرار ورموز کا جو انکشاف ہوا اسے منظّم کر کے کتاب کی شکل دی جائے۔

''کتابیات شبلی'' چار حصوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں علامہ شبلی علیہ الرحمہ کی عام تصنیفات وتالیفات وتراجم اور تلخیصات کا اشاریہ ہے۔ دوسرے حصے میں علامہ شبلی کی شخصیت، خدمات اوران کے لازوال کارناموں پر لکھی جانے والی کتابوں کے اشاریے کے ساتھ مضامین ومقالات کا موضوعاتی اشاریہ بھی ہے۔ کتابیات شبلی کے تیسرے حصے میں خاص علامہ شبلی کی تصنیفات پر لکھے جانے والے مضامین ومقالات کا اشاریہ ہے۔ کتاب کے چوتھے اور آخری حصے میں مصنفین ومترجمین مقالہ نگاروں کا اشاریہ ہے۔

کتابیات شبلی کی خاص بات یہ بھی ہے کہ ہر مقالے کا ایک نمبر درج کیا گیا ہے۔ اشاریہ مصنفین حصہ چہارم میں نمبر شمار دیے گئے ہیں تا کہ کسی مصنف یا مقالہ نگار کو اپنے ہدف تک رسائی دشوار نہ ہو۔ نیز کتب ومضامین کی دیگر اشاعتوں کا ذکر بھی اصل نمبر شمار کے ساتھ درج ہے جس سے موضوع اور مصنف دونوں لحاظ سے بہ آسانی مواد تک پہنچا جاسکتا ہے۔ نیز گذشتہ ۹/ سالوں میں ذخیرہ شبلیات میں جو گراں قدر اضافہ ہوا ہے اور مختلف رسائل و جرائد کے بعض اشاریوں کی اشاعت سے علامہ شبلی سے متعلق جونئی معلومات سامنے آئی ہیں۔ کتابیات شبلی میں احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کے مطالعے کے بعد ایسا محسوس ہورہا ہے کہ مصنف نے بڑی جدوجہد کے بعد علامہ شبلی نعمانی کی ان گراں قدر تحریروں کا سراغ لگایا ہے جو شہ پاروں کی صورت میں محققین یا اہل علم کی نظروں سے اوجھل ہوچکی تھیں یا کتابیات شبلی سے پہلے شائع ہونے والے اشاریے ان کا احاطہ کرنے سے قاصر تھے۔ بہرحال الیاس الاعظمی نے بڑی تگ ودو کے بعد مواد یکجا کر کے محققین اور شناسان شبلی کے لیے ''کتابیات شبلی'' کی شکل میں منبع علم وعرفاں کا جو گراں قدر تحفہ پیش کیا ہے وہ لائق ستائش ہے۔ باوجود اس حقیقت کے کہ کسی بھی کتابیات کے مکمل ہونے کا دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا مگر یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ کتابیات شبلی اب تک کی کوششوں میں نمایاں اور منفرد ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کی حیات وخدمات کے موضوع پر کتابیات شبلی محققین اور خاص طور پر قدردان شبلی کے لیے گراں قدر تحفہ ثابت ہوگی اور علمی حلقے میں اس کی پذیرائی ہوگی۔

[راشٹریہ سہارا، امنگ ۲۵/مارچ ۲۰۱۲ء ص۲]

پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی

اڈیٹر: ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ

علامہ شبلی نعمانی پر جن اہل قلم نے مسلسل اور بھرپور کام کیا ہے ان میں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا نام اگر سرفہرست نہیں تو بہت اونچے مقام پر ضرور آتا ہے۔ وہ ان پر لکھنے کے لیے مختلف موضوعات تلاش کرتے ہیں اور پھر ان پر تحقیق وتوصیف (تنقید نہیں) کا حق ادا کرتے ہیں۔ تحقیق کی معروضیت اس وقت مشتبہ ہوجاتی ہے جب تحقیقی کام یہ سوچ کر شروع کیا جائے کہ ہمیں فلاں شخص یا فلاں تحریک یا فلاں ادارے کو اوپر اٹھانا ہے یا نیچے گرانا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب چار بڑے حصوں میں تقسیم ہے: تصنیفات وتالیفات شبلی، مطالعاتِ شبلی، تنقید وتجزیہ تصانیفِ شبلی اور اشاریہ مصنّفین، مترجمین، مقالہ نگار، پھر ان بڑے عنوانات کے تحت متعدد ذیلی عنوانات ہیں۔ مثلاً پہلے عنوان کے تحت تراجم تصنیفات وتالیفات شبلی۔ حیرت ہوتی ہے کہ علامہ شبلی کے قلم کے فیوض وبرکات کتنی ملکی اور غیر ملکی زبانوں میں منتقل ہوئے ہیں۔ ان زبانوں کی تعداد ایک درجن ہے۔ غیر ملکی زبانوں میں انگریزی، تاجک، ترکی، عربی اور فارسی شامل ہیں۔ (اب شاید پشتو کو بھی غیر ملکی زبان ہی سمجھنا چاہیے۔) ملکی زبانوں میں بنگالی، تمل، کنٹر، مراٹھی اور ملیالم آتی ہیں۔ شاید قارئین کو حیرت ہو کہ علامہ شبلی کی بعض تصانیف کے اردو میں بھی تراجم ہوئے ہیں۔ یہ ان کے عربی زبان کے رسائل ہیں۔ لکھا انہوں نے فارسی میں بھی ہے۔ تصنیفات، تالیفات میں رسائل اور طویل مقالات (جیسے جزیہ اور کتب خانہ اسکندریہ) بھی شامل کر لیے گئے ہیں اور ایک کتاب جن مختلف مطابع سے شائع ہوئی ہے ان سب کا ذکر علاحدہ علاحدہ کر دیا گیا ہے۔

مطالعات شبلی میں مستقل تصانیف (اردو وعربی) مقالات کے مجموعے، رسائل کے خصوصی شمارے، ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کے مقالات سب شامل ہیں۔ علامہ شبلی پر جن حضرات نے بہت لکھا ہے ان میں ابوعلی اثری، محمد الیاس الاعظمی، خورشید نعمانی، سید سلیمان ندوی، سید عبداللہ، ظفر احمد صدیقی، محمد یسین مظہر صدیقی اور ضیاء الدین اصلاحی کے نام خاص طور سے قابل

ذکر ہیں۔ ان میں جو حضرات دارالمصنّفین اعظم گڑھ سے وابستہ رہے ہیں ان کی تصانیف اور مقالات میں تنقیدی زاویۂ نگاہ کا سوال ہی نہیں ہے۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔ خورشید نعمانی صاحب کی تحریریں ہماری نظر سے نہیں گزری ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کی تحریر خالص علمی و ادبی ہیں۔ ان میں شخصی تاثرات کی گنجائش بہت کم ہے۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے علامہ شبلی پر بنارس ہندو یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کیا ہے۔ ان کا مقالہ ایک حلقے میں متنازعہ فیہ قرار پایا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کا نقطۂ نظر تنقیدی ہے۔ ہمارے یہاں تحقیق بھی دو نوعیت کی ہوتی ہے۔ یا ہم فیصلہ کر کے بیٹھتے ہیں کہ کسی شخص یا کسی تحریک یا کسی ادارے کو اوپر اٹھانا یا نیچے گرانا مقصود ہے یا پھر اس معاملے میں خالی الذہن ہو کر حق تحقیق ادا کیا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظفر احمد صدیقی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے اور بعد کی تحریروں میں دوسرا طریقۂ کار اختیار کیا ہے جو تحقیقی طریقۂ کار رہے۔ ہندوستان اور پاکستان کی یونیورسٹیوں کے علاوہ علامہ شبلی پر قاہرہ یونیورسٹی میں بھی پی ایچ ڈی ہوا ہے۔ اس معاملے میں بجا طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سرفہرست ہے۔ ابوعلی اثری صاحب نے علامہ شبلی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تعلق سے سب سے زیادہ لکھا ہے لیکن ان کا ایک مضمون ۱۹۹۱ء میں ماہنامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ میں مولانا آزاد کے رسالے ''سرمد'' پر علامہ شبلی کی تنقید سے متعلق شائع ہوا تھا اور پھر اسی رسالے میں اس پر خاکسار تبصرہ نگار کا استدراک چھپا تھا۔ ان دونوں تحریروں کا حوالہ ہمیں زیر تبصرہ کتاب میں نظر نہیں آیا۔ کتاب اچھی چھپی ہے اور اس کی قیمت مناسب ہے۔

[ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ، اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۴-۳۵]

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر: سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی نعمانی اور دبستانِ شبلی کو اپنے لیے بحث و تحقیق کا موضوع منتخب کیا ہے۔ علامہ شبلی کی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر ان کی تحریروں کا مجموعہ ''متعلقات

شبلی'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور دبستان شبلی کا جامع تذکرہ ان کی کتاب ''دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات'' میں آ گیا ہے۔ اس کے علاوہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا شاہ معین الدین ندوی، مولانا سعید انصاری اور مولانا مجیب اللہ ندوی وغیرہ پر ان کی مستقل تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ انہی خدمات کی بنا پر انہیں دارالمصنّفین کا اعزازی رفیق منتخب کیا گیا ہے اور اب ان کی زیر نظر کتاب دارالمصنّفین ہی سے شائع ہوئی ہے۔

علامہ شبلی کی حیات اور کارناموں پر خود ان کی زندگی میں بہت کچھ لکھا گیا اور اس کے بعد بھی مسلسل لکھا جاتا رہا ہے۔ اس موضوع پر متعدد اشاریے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ آخری اشاریہ جسے جناب کبیر احمد خاں لائبریرین ادارۂ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ نے مرتب کیا تھا، ۲۰۰۲ء میں شائع ہوا تھا۔ اس دوران مولانا شبلی کی حیات وخدمات پر کئی سمینار منعقد ہوئے۔ کئی رسائل کے خصوصی شمارے شائع ہوئے اور بہت کچھ نیا لٹریچر سامنے آیا زیر نظر اشاریہ میں قدیم اشاریوں کی تحقیق وتنقیح کے ساتھ نئے اضافات کو بھی شامل کر لیا گیا ہے۔ اس طرح یہ علامہ شبلی پر تیار ہونے والے اشاریوں میں سب سے زیادہ جامع ہو گیا ہے۔

یہ اشاریہ چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں علامہ شبلی کی تمام تالیفات، تلخیصات، تراجم اور مضامین ومقالات کا تذکرہ ہے۔ دوسرا حصہ علامہ کی شخصیت اور خدمات پر لکھی جانے والی کتابوں، مضامین، رسائل کے خصوصی شماروں، عصری جامعات میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے لکھے جانے والے مقالات کا احاطہ کرتا ہے۔ مضامین کو موضوعاتی اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ تیسرے حصے میں علامہ کی تصانیف پر لکھے جانے والے مقالات اور نقد وتبصرہ کی فہرست مرتب کی گئی ہے۔ اسی حصے میں ان پر لکھی جانے والی انگریزی وہندی کتب ومضامین کی فہرست درج کی گئی ہے۔ چوتھا حصہ مصنفین، مترجمین اور مقالہ نگاروں کے اشاریہ پر مشتمل ہے۔

فاضل اشاریہ نگار نے کتاب میں ایک ہزار سات سو اندراجات کو سلیقہ سے مرتب کیا ہے اور علامہ شبلی کی تصانیف اور مقالات کو فہرست سازی کے ساتھ ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر لکھی جانے والی کتب اور مضامین ومقالات کی موضوعاتی فہرست بہت محنت سے مرتب کی ہے۔ جس پر وہ بجا طور سے تحسین وتبریک کے مستحق ہیں۔

کتابیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالمصنّفین سے علامہ شبلی کی سیرۃ النبی جلد اول کی چھٹی طباعت ۱۹۶۱ء میں اور جلد دوم کی پانچویں طباعت ۱۹۵۵ء میں ہوئی۔اس سے قبل کی صرف ایک دوطباعتوں کا ذکر ہے۔مقام حیرت ہے کہ شبلی پر ۹/اشاریے مرتب کیے گئے۔لیکن نہ اشاریہ نگار پتا لگا سکے، نہ دارالمصنّفین کے ریکارڈ سے معلوم ہوسکا کہ سیرۃ النبیؐ کی ابتدائی اشاعتیں کب کب منظرعام پر آئی تھیں۔علامہ شبلی کے مضامین ومقالات پہلی مرتبہ کن رسائل میں شائع ہوئے اور بعد میں جن مجموعوں کا حصہ بنے؟ اشاریہ نگار نے دونوں کی صراحت کی ہے۔لیکن مقالاتِ شبلی جلد اول کے مضامین کے بارے میں یہ تفصیل نہیں بیان کی گئی ہے۔بعض اندراجات کی تکرار ہے۔انہیں کسی ایک جگہ ہونا چاہیے تھا۔مثلاً ’کتب خانۂ اسکندریہ‘ کا تذکرہ تصانیف شبلی (نمبر شمار ۲۷) میں بھی کیا گیا ہے اور دوسروں کے ذریعے مدون کی گئی کتب میں بھی (نمبر شمار ۸۷) اور ’مطائبات شبلی‘ کا اندراج کتب مدونہ (نمبر شمار ۸۶) میں بھی ہے اور مطالعات شبلی پر مشتمل کتاب میں بھی (نمبر شمار ۱۴۴)۔بعض مقامات پر رسائل کے ماہ وسنہ کا اندراج رہ گیا ہے، (مثلاً نمبر شمار ۳۶۹، ۱۰۹۱) اشاریہ نگار کے اپنے مضمون ’علامہ شبلی کا نظریۂ تاریخ‘ کا اندراج نمبر شمار ۶۸۵ پر بھی ہے اور ۶۸۸ پر بھی۔کتابیات میں علامہ شبلی پر لکھی جانے والی انگریزی اور ہندی کتب ومضامین کی فہرست الگ سے مرتب کی گئی ہے۔لیکن عربی اور فارسی کتب ومقالات کا تذکرہ علاحدہ نہیں کیا گیا ہے۔خلاصہ یہ کہ یہ اشاریہ قدرشناسان شبلی کے لیے ایک قیمتی تحفہ ہے۔امید ہے کہ اہل علم کے درمیان اسے بھرپور پذیرائی حاصل ہوگی۔

[سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل-جون ۲۰۱۲ء ص ۱۱۶-۱۱۸]

ڈاکٹر سفیر اختر

ایڈیٹر: نقطہ نظر، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

مسلمانانِ برعظیم پاکستان وہند کی تہذیبی وادبی روایت کے نمائندہ مشاہیر میں ایک بڑا روشن نام علامہ شبلی نعمانی (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کا ہے۔ان کے فکر ودانش اور سرمایۂ نظم ونثر سے تین

چار نسلوں نے اکتسابِ فیض کیا ہے اور ان نسلوں نے جدید تر فکر و نظر کے نئے نئے چراغ روشن کیے ہیں۔ اس مطالعہ و تجزیہ کو بیک نظر دیکھنے اور کوئی رائے قائم کرنے کے لیے ایک بنیادی ضرورت کسی جامع کتابیات کی فراہمی تھی جسے پورا کرنے کی کوشش معروف شبلی شناس جناب محمد الیاس الاعظمی نے کی ہے۔ جناب اعظمی اور ان کی تالیفات سے ''فکر و نظر'' کے قارئین ایک حد تک متعارف ہیں۔ ان کی تحریریں اس کی زینت بنتی رہی ہیں اور ان کی علمی کاوشوں پر بھی اس کے صفحات میں وقتاً فوقتاً اظہار خیال کیا جاتا رہا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی کے سرمایۂ قلم اور ان کے فکر و فن پر لکھی گئی کتابوں اور مقالات کی فہرست نگاری کا آغاز جنوری ۱۹۶۰ء میں احمد اسحٰق نعمانی کی ابتدائی اور معمولی نوعیت کی کاوش ''مقالہ نما برائے شبلی'' (ماہنامہ ''آج کل''، دہلی، جنوری ۱۹۶۰ئ) سے ہوا۔ اس کے بعد خوب سے خوب تر کے انداز میں جدوجہد جاری رہی۔ جناب محمد الیاس الاعظمی نے اس سلسلے کی ایک ایک کاوش کی نشاندہی کرتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ ''کسی بھی کتابیات کے مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ (زیر نظر) 'کتابیات شبلی' اب تک کی تمام کوششوں سے زیادہ جامع ہے''۔ (ص۱۲) ''کتابیات شبلی'' کے اسلوبِ ترتیب و تدوین کے بارے میں جناب مرتب نے لکھا ہے:

> ''کتابیات شبلی'' چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصہ میں علامہ شبلی کی تمام تصنیفات و تالیفات (ان کے) تراجم اور تلخیصات کا اشاریہ ہے۔ اسی میں علامہ شبلی کی تحریروں سے مرتب کی گئی کتابوں (مدونہ کتب) اور ان کے مضامین و مقالات کا بھی اشاریہ ہے۔ دوسرے حصہ میں علامہ شبلی کی شخصیت، خدمات اور ان کے لازوال کارناموں پر لکھی جانے والی کتابوں کے اشاریہ کے ساتھ مضامین و مقالات کا موضوعاتی اشاریہ بھی ہے۔ اس حصہ میں ہند و پاک اور دیگر ممالک کی جامعات میں ایم۔اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے لیے جو مقالات لکھے گئے، ان کی بھی فہرست ہے۔ تیسرے حصہ میں خاص علامہ شبلی کی تصنیفات پر لکھے جانے والے مضامین و مقالات کا اشاریہ ہے۔ اسی میں

انگریزی و ہندی کتب ومضامین کی فہرست بھی شامل ہے۔ چوتھے اور آخری
حصہ میں مصنفین رمترجمین اور مقالہ نگاروں کا اشاریہ ہے۔(ص:۱۲-۱۳)

علامہ شبلی کی مؤلفہ کتب اور ان کی تحریروں پر مشتمل مرتبہ مجموعوں کی جوفہرست الفبائی ترتیب سے حصہ اول میں دی گئی ہے۔اس میں جناب مرتب نے کوشش کی ہے کہ ان کتابوں کی جملہ اشاعتوں کے بارے میں بنیادی کوائف یک جا ہو جائیں۔ کتابوں کی مختلف اشاعتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض تصانیف شبلی کی اکا دکا اشاعتیں جناب مرتب کی نظر میں نہیں آسکیں۔تاہم ان اطلاعات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ علامہ شبلی کی کس کتاب کو کتنی مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔ان کی مقبول ترین تالیف ''الفاروق'' ہے جس کی ۴۲ اشاعتوں کا اندراج کیا گیا ہے۔ الفبائی ترتیب میں ''التعریف'' کو الفاظ کا لازمی جز سمجھا گیا ہے۔اور ''الجزیہ''، ''الغزالی'' اور ''الفاروق'' وغیرہ کو بالترتیب ج، غ اور ف کے تحت درج کرنے کے بجائے ''الف'' کے تحت درج کیا گیا ہے۔

''کتابیات شبلی'' میں کتابوں کے اندراج میں عنوانِ کتاب، مصنف یا مؤلف ومرتب، ناشر، جائے اشاعت، سال اشاعت اور تعدادِ صفحات دی گئی ہے۔کسی مجموعۂ مضامین میں شامل تحریر کا اندراج عنوان تحریر سے کیا گیا ہے۔ اور متعلقہ مجموعۂ مضامین کے بارے میں مذکورہ اطلاعات کے ساتھ تحریر کے صفحات کا اندراج کیا گیا ہے۔اور اگر تحریر کسی رسالے یا جریدے میں شائع ہوئی ہے تو جریدے کا نام، ماہ وسالِ اشاعت اور جریدے کے متعلقہ صفحات کا اندراج کر دیا گیا ہے۔ ایسے مقالات جو لکھنے والوں کے حوالے سے ان کے مختلف مجموعہ ہائے مضامین میں شامل ہیں، یا مختلف رسائل وجرائد میں نقل کیے جاتے رہے ہیں، ان کی مکرر اشاعتوں کی نشاندہی کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔''کتابیات شبلی'' کے جملہ اندراجات کی تعداد جناب مرتب کی ترتیب وتدوین اور شمار کے مطابق ایک ہزار سات سو ایک (۱۷۰۱) ہے۔اگر چہ بعض اندراجات مکرر، سہ کرر شمار کر لیے گئے ہیں۔

کتابیات کا حصہ دوم (مطالعات شبلی) اور حصہ سوم (تنقید وتجزیۂ تصانیف شبلی) ذیلی اجزاء میں منقسم ہیں۔حصہ دوم کے مقالات ومضامین ۳۹ ذیلی موضوعات میں منقسم ہیں اور حصہ

سوم کے مقالات علامہ شبلی نعمانی کی تصانیف کے حوالے سے منقسم ہیں۔

کسی بھی موضوع پر کتابیات کو کتنے اجزاء میں تقسیم کیا جائے اور کیا ذیلی عنوانات تجویز کیے جائیں؟ چند موٹے موٹے ضوابط کے باوجود مفصل تقسیم اور اجزابندی کا انحصار مرتبِ کتابیات کے ذوقِ نظر اور حیطۂ معلومات پر ہے۔ البتہ ذیلی عنوانات طے کر دیے جانے کے بعد مرتب کی کامیابی یا ناکامی اس بات پر منحصر ہے کہ وہ مختلف کتب ومقالات کو اپنے متعین عنوانات کے تحت درج کر سکا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں یہ بھی واضح کرنا ضروری ہے کہ بعض مقالات اپنے مباحث کے اعتبار سے ایک سے زائد عنوانات کے تحت آ سکتے ہیں۔ ایسے مقالات کو پہلی بار تو پوری تفصیلات کے ساتھ درج کیا جانا چاہیے اور جہاں بارِ دگر ان کے حوالے کی ضرورت ہو، وہاں سابقہ اندراج کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

جناب محمد الیاس الاعظمی کے ہاں بعض مقامات پر کتب ومقالات اپنے متعین ذیلی موضوع کے تحت درج نہیں ہو سکے۔ ایک ایک اندراج کا ذکر کر کے اس کی نشان دہی کرنا مقصود نہیں ہے۔ یہاں دو چار مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ حصہ دوم (مطالعات شبلی) میں ایک عنوان ''دریافت'' تجویز کیا گیا ہے۔ ۹۹۵-۱۰۰۸ تک کے اندراجات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں علامہ شبلی کی متفرق تحریروں کا اندراج ہے جو دارالمصنّفین، اعظم گڑھ کے رفقاء کی مرتبہ کتب (''مقالات''، ''مکاتیب'' یا ''خطبات'' وغیرہ) میں جگہ نہیں پا سکی تھیں۔ اور ان کے شائع ہو جانے کے بعد رسائل وجرائد کے ذریعے سامنے آئی تھیں۔ اندراج ۱۳۷۳ اور مکرر اندراج ۱۵۲۳ (علم کلام پر علامہ شبلی کا ایک نایاب لیکچر) اور اسی طرح اندراجات ۱۳۷۲، ۱۳۷۴ اور اس کے معاً بعد کے اندراج (جس کا شمار نہیں کیا جا سکا) کو اولاً ''دریافت'' کے تحت آنا چاہیے تھا۔ اور پھر دوسرے مقامات پر بطور Cross referance

حصہ سوم (تنقید وتجزیہ تصانیفِ شبلی) میں ''خطوط شبلی'' اور ''مکاتیب شبلی'' کے دو عنوانات طے کیے گئے ہیں۔ بلاشبہ ان عنوانات کے مجموعے موجود ہیں۔ مگر ان کے تحت جو متعدد اندراجات ہیں، وہ براہ راست ان مجموعوں سے متعلق نہیں۔ اور بعض ایسی تحریریں ہیں جو دونوں سے متعلق ہیں۔ مزید برآں ''خطوط'' اور ''مکاتیب'' کے الفاظ تو علامہ شبلی کی مراسلت مرتب کرنے

والوں کے تجویز کردہ ہیں۔اور معناً یہ سبھی مکتوبات ہیں۔ان کے بجائے اگر ایک عنوان ''علامہ شبلی'' کی مکتوب نگاری'' ہوتا اور ایک عنوان ''علامہ شبلی کی شخصیت مکاتیب کے آئینے میں'' تو زیادہ مناسب ہوتا۔

ہمارے ہاں الانسان مرکب من الخطاء والنسیان کی آڑ تو ہے ہی مگر سچی بات یہ ہے کہ تصنیف وتالیف اور طباعت کی ہر دو سطح پر وہ اہتمام نہیں کیا جاتا، جس کی واقعتاً ضرورت ہے۔اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری تالیفات میں مغربی دنیا کے علمی مطالعات کی نسبت اغلاط کچھ زیادہ ہی ہوتی ہیں۔اغلاط عام کتابوں میں ہوں یا رہنمائے کتب طرز کی کاوش میں، اصولاً قابل گرفت ہیں، مگر ''کتابیات'' کی غلطی بعض اوقات زیادہ بڑی محسوس ہوتی ہے کیونکہ ''کتابیات'' میں فراہم کردہ اطلاعات کے تحت ضرورت مند متعین کتاب یا مقالے تک پہنچتے ہیں اور بعض اوقات ان کے حصول میں ان کا خاصا وقت اور کچھ پیسا بھی خرچ ہوجاتا ہے۔اگر کتاب یا مقالہ حاصل کرنے کے بعد یہ معلوم کہ ''کتابیات'' میں جو اطلاعات دی گئی تھیں۔ وہ غلط تھیں تو ضرورت مند کی پریشانی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

علامہ شبلی کی کتابیات کے حوالے سے ماضی میں جو کاوشیں ہوئی ہیں، وہ غلطیوں سے پاک نہیں، مرتب نے کچھ لکھا تھا اور کاتب نے کچھ اور سمجھ لیا۔ اور اگر کاتب نے مرتب کی تحریر درست لکھ دی تو پروف درست کرنے والے نے اپنی دانست میں ''تصحیح'' کرتے ہوئے درست کو نادرست بنادیا۔''کتاب نامہ شبلی'' (مرتبہ: اختر راہی) ہو یا ''جہان شبلی'' (مرتبہ محمد ضیاء الدین انصاری) ان کے بعض اندراجات ناقص ہیں، مصنفین یا مقالہ نگاروں کے نام غلط ہوگئے ہیں، اس لیے موضوع پر کسی بھی جدید تر کاوش سے شبلی شناسوں کی یہ توقع بے جا نہیں کہ سابق مرتبین کی اغلاط نہ دہرائی جائیں۔اور ان کے اندراجات کی ہر طرح تصحیح وتکمیل کردی جائے۔مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جناب محمد الیاس الاعظمی نے اپنے پیش رووں پر غیر ضروری اعتماد کیا ہے اور ان کے دیئے ہوئے ہر اندراج کی بچشم خود پڑتال نہیں کی اور ان کی بعض اغلاط دہرا دی ہیں اور کہیں کہیں یہ احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ انہوں نے جو مزید اندراجات فراہم کیے ہیں ان کے لیے بھی ثانوی ماخذ سے استفادہ کیا گیا ہے۔نمونے کے طور پر چند اندراجات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

☆ حصہ دوم (مطالعات شبلی) میں پہلی کتاب (اندراج ۳۹۸) ''اردو کا بہترین انشا پرداز، (مولفہ) وحید قریشی'' درج کی گئی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی (۲۰۰۹ء) کی تالیف کا درست عنوان ''اردو کا بہترین رسائی ادب (رجب علی بیگ سرور سے دور حاضر تک)'' ہے۔

☆ صفحہ ۱۵۲ ار پر ''شبلی اور ابوالکلام آزاد'' کے تحت ایک اندراج محمد دین تاثیر کی تحریر کا ہے۔ اس تحریر میں مولانا ابوالکلام آزاد کا کوئی ذکر نہیں۔ بلکہ محمد حسین آزاد اور علامہ شبلی نعمانی کے اسلوب کا تقابل کیا گیا ہے۔

☆ بعض اہل قلم نے علامہ شبلی نعمانی کی سوانح حیات یا فکر و دانش کے حوالے سے مختلف اہداف کے تحت وقتاً فوقتاً قلم اٹھایا ہے، عنوان بھی ایک جیسا رکھا ہے، مگر تحریریں بعض معلومات کے اشتراک کے باوجود الگ الگ ہیں۔ ان تحریروں میں فرق نہیں کیا جا سکا اور انہیں ایک ہی اندراج کے تحت درج کر دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اندراج ۷۶۴ میں سید عبداللہ (۱۹۸۶ء) کی تحریر ''شبلی'' کا اندراج ہے۔ انہوں نے ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ'' (دانش گاہ پنجاب۔ لاہور) کے لیے مقالہ لکھا، ان کی تالیف ''سرسید اور ان کے نامور رفقاء کی اردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ'' میں علامہ شبلی کی نثر کا مختلف انداز میں جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ''طیف نثر'' ان کے کلاس لیکچرز کا مجموعہ ہے۔ ان تین کتابوں میں تین مختلف تحریریں ہیں، اگرچہ تینوں کا موضوع علامہ شبلی نعمانی ہیں۔

یہی کیفیت اندراج ۷۹۸ کی ہے۔ اس میں شیخ محمد اکرام (۱۹۷۳ء) کی ایک تحریر کا ان کی تالیفات ''موجِ کوثر'' اور ''ارمغان پاک'' کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔ ''موج کوثر'' میں شیخ محمد اکرام نے علامہ شبلی نعمانی کا ذکر سرسید احمد خاں کی تحریک کے ردعمل کے طور پر کیا ہے اور مبحث دینی و سیاسی افکار ہیں، جب کہ ''ارمغان پاک'' برعظیم کی فارسی شاعری کا تعارف اور انتخاب ہے۔ ان دو مختلف تحریروں کو الگ الگ کیا جانا چاہیے تھا۔

حصہ سوم (تنقید و تجزیہ تصانیف شبلی) میں علامہ شبلی نعمانی کی ''شعر العجم'' پر حافظ محمود شیرانی (۱۹۴۶ء) کی ''تنقید شعر العجم'' کے حوالے سے ماہنامہ ''برہان'' (دہلی) کے یہ تین اندراجات ہیں:

(۱۴۷۳)   تنقید شعر العجم تبصرہ، م ح، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۴۴ء، ص ص ۱۵۹-۱۶۰

(۱۴۷۷) تنقید شعر العجم تبصرہ عتیق الرحمٰن عثمانی، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۲۴ء

(۱۴۷۹)   تنقید شعر العجم مؤلفہ محمود شیرانی، محمد یوسف اصلاحی، ماہنامہ برہان، دہلی، فروری ۱۹۴۴ء، ص ص ۱۵۹-۱۶۰

اندراج ۱۴۷۷ تو اس لیے بالبداہت غلط ہے کہ فروری ۱۹۲۴ء میں نہ ماہنامہ ''برہان'' کا کوئی وجود تھا۔ اور نہ اس وقت تک حافظ محمود شیرانی کی کتاب شائع ہوئی تھی۔ ماہنامہ ''برہان'' کا پہلا شمارہ جولائی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا تھا۔

اندراج ۱۴۷۳ میں ''برہان'' کے ایک ہی شمارے اور یکساں صفحات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ تبصرہ دو مختلف افراد کی طرف کس طرح منسوب ہو سکتا ہے جب کہ ''م ح'' ''محمد یوسف اصلاحی کا مخفف بھی بظاہر نہیں بن سکتا۔

''کتابیات شبلی'' کی ورق گردانی کرتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مصنّفین اور مقالہ نگاروں کے نام درست طور پر نہیں لکھے جا سکے۔ کچھ نام یہ ہیں (قوسین میں اندراج نمبر کے ساتھ ''کتابیات'' میں دیا ہوا نام بھی درج کر دیا گیا ہے) سید محمود آزاد (۴۱۵، سید محمد آزاد) محمد اسحاق شمس (۴۲۳، محمد اسحاق شمسی) خان رشید (۵۴۶، رشید خاں) افضل حق قرشی (۵۷۰، ۶۲۷، ۱۰۰۶، افضل حق قریشی)، محمد بشیر چٹھہ (۶۴۰، محمد بشیر چھٹہ) ہارون الرشید (۶۴۳-۶۴۴، ہارون رشید)، بشیر احمد میاں (۶۶۶)، بشیر الدین احمد میاں)، ممتاز منگوری (۶۶۹، ممتاز بنگلوری)، نعیم تقوی (۱۶۴۱، نعیم نقوی) احراز نقوی (۱۵۶۵، احرار نقوی) محمد منور (۱۶۳۳، محمد منصور)۔ اسی طرح ''یادگار نظر'' (۱۶۳۴) کو ''یادگار جگر'' بنا دیا گیا ہے۔ اندراج ۸۰۷ میں ''مضامین شرر'' کے ناشر کے طور پر مجلس ترقی ادب لاہور کا نام دیا گیا ہے۔ جو ہماری معلومات کی حد تک درست اطلاع نہیں۔

ایسے اندراجات کی تعداد کافی زیادہ ہے جن کے عنوانات میں کسی لفظ کی کمی بیشی ہو گئی ہے۔ یا الفاظ میں تقدم و تأخر ہو گیا ہے۔ کتابوں اور مقالات کے ماہ و سالہائے اشاعت میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ ایسے اندرجات جو نامکمل ہیں یا ان کے متعلقہ صفحات درست نہیں۔ ان کی

تعداد بھی پانچ سات فیصد سے کم نہ ہوگی۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی نے ''کتابیات شبلی'' کونہایت عمدہ معیار پر شائع کیا ہے۔اور اس وقت تک بجا طور پر اپنے موضوع پر ایک منفرد کاوش ہے۔

[سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، جلد۴۹ شمارہ۴]

ڈاکٹر ایم۔نسیم اعظمی

ایڈیٹر ادبی گزٹ، مئو

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے آغاز میں برصغیر ہندو پاک کی جن عظیم اور نابغۂ روزگار شخصیتوں نے اس پورے خطہ زمین کو اپنے مختلف کارناموں سے متاثر کیا، ان میں ایک اہم ترین نام علامہ شبلی نعمانی کا بھی ہے۔ وہ بیک وقت ایک جید عالم، متکلم، سوانح نگار، ادیب شاعر، مفکر اور صاحب طرز انشاپرداز ونقاد کے ساتھ ساتھ نامور مؤرخ اور سدا بہار اسلوب کے مالک تھے۔ زیرنظر کتاب ''کتابیات شبلی'' دراصل علامہ شبلی نعمانی کی تصنیفات وتالیفات اوران کی شخصیت اور کارناموں سے متعلق مختلف لوگوں کی کتابوں، ترجموں اور مقالات ومضامین پر مشتمل اشاریوں کا ایک ایسا مجموعہ ہے جسے ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے تحقیقی دقت نظری، باریک بینی اور محنت ولگن سے کام لیتے ہوئے ترتیب دیا ہے۔اس کتاب سے آئندہ علامہ شبلی نعمانی پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لیے بہت آسانی ہوجائے گی۔ ''کتابیات شبلی'' علامہ شبلی نعمانی کی حیات و شخصیت، نگارشات وتخلیقات اوران کے کارناموں کے بارے میں دیگر لوگوں کے علمی، تحقیقی اور تنقیدی کارناموں کی وضاحتی فہرست پر مشتمل ہے اور جس میں فاضل مرتب کے علاوہ پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ڈائرکٹر دارالمصنّفین (شبلی اکیڈمی) کا ''حرف چند'' کے عنوان کے تحت جامع پیش لفظ بھی شامل ہے۔ یہ کتاب کل چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں علامہ شبلی نعمانی کی تصنیفات اور تالیفات کا وضاحتی اشاریہ ہے۔ دوسرے حصے میں مطالعات شبلی کا اشاریہ شامل کیا گیا ہے۔ تیسرا حصہ تنقید وتجزیہ، تصانیف پر مشتمل ہے۔ چوتھے اور آخری حصہ میں اشاریہ مصنفین

مترجمین اور مقالہ نگاروں کی تحریروں اور ان کے مقالات ومضامین سے متعلق مکمل اشاریہ تحریر کیا گیا ہے۔ جس سے یہ کتاب ایک، جامع اور مکمل وکارآمد اشاریوں کا اور مثالی نمونہ بن گئی ہے۔

تحقیقی اور سنجیدہ علمی کاموں میں کتابیات واشاریات کی جو اہمیت ہوتی ہے اس سے اہل علم ودانش بخوبی واقف ہیں کیونکہ تحقیق ودریافت کی بنیاد عموماً کتابیات واشاریات پر ہی مشتمل ہوتی ہے اور اشاریہ متن میں درج شخصیت، کتب، نگارشات اور مقالات ومضامین کے حوالوں کے لیے کلیدی کردار ادا کرتا ہے اس لیے تحقیقی اور علمی کاموں میں اس کی بڑی اہمیت وافادیت ہوتی ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ جیسے جیسے تحقیقی اور علمی کاموں کو فروغ وترقی ملتی جارہی ہے کتابیات اور اشاریہ سازی کے فن کو بھی غیر معمولی اہمیت دی جانے لگی ہے۔

دیگر ترقی یافتہ زبان وادب کی طرح اب اردو میں بھی جدید اور سائنٹفک اصولوں کے مطابق اشاریہ سازی پر خاص زور دیا جانے لگا ہے۔ یہ ''کتابیات شبلی'' ایک سائنٹفک اور جدید اصولوں سے ہم آہنگ مکمل اور کارآمد اشاریہ پر مشتمل کتاب ہے جس میں اشاریہ سازی کے تمام ممکنہ گوشوں کا بخوبی احاطہ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر الیاس اعظمی عہد حاضر کے نامور ادیب، ماہر شبلیات واشاریہ ساز اور دارالمصنّفین (شبلی اکیڈمی) کے رفیق اعزازی ہیں اور اردو کے علمی وادبی حلقوں میں اسی حیثیت سے اپنی مخصوص شناخت بھی رکھتے ہیں۔ اب تک ان کی ایک درجن سے زائد علمی، ادبی اور تحقیقی کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور اہل علم ودانش سے داد وتحسین بھی حاصل کرچکی ہیں۔ امید ہے اس کتاب کی بھی علمی وادبی حلقوں میں پذیرائی ہوگی۔

[ماہنامہ کتاب نما، دہلی، مئی ۲۰۱۲ء ص ۷۲-۷۳]

مولانا عبدالحمید نعمانی

الجمیعۃ، جمعیۃ علمائے ہند، دہلی۔

علامہ شبلی نعمانیؒ سیرت نگاری، سوانح نگاری، اردو فارسی شاعری، اردو (موازنۂ انیس و

دبیر) فارسی (شعرالعجم) شاعری کی تنقید، قدروں کا تعین اور درجہ بندی، مذہبی، تاریخی، سماجی اور سیاسی مسائل وحالات پہ گہری وسیع نظر کے حوالے سے بذاتِ خود ایک مستند حوالہ کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ انہوں نے اپنے عہد میں پیدا ہونے والے جن مسائل کی طرف اہل ملک وملت کی توجہ مبذول کرائی تھی وہ آج بھی ایسی شکل میں بار بار سامنے آتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے کہ شبلیؒ ابتدائی صورت میں ہونے کے باوجود ان کے متعلق کتنی بصیرت رکھتے تھے۔ آج جب کہ وقت بہت آگے نکل گیا ہے۔ علامہ شبلی کے اٹھائے ہوئے مسائل اور ان سے متعلق نکات میں ہمارے لیے بڑی روشنی اور رہنمائی ہے۔ مذکورہ عنوانات پر شبلی کی رہنمائی میں مطالعہ، آج کی نئی نسل بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی مسرت وبصیرت کا سامان بہم پہنچائے گا۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی شبلیات کے مختلف گوشوں کو سامنے لا کر ایک اہم ضرورت پوری کرر ہے ہیں۔ آج تک کتابوں کے علاوہ مضامین ومقالات کی شکل میں جتنا کچھ علامہ شبلی پر لکھا گیا ہے اگر سب کو موضوع اور فن کے اعتبار سے کتابی شکل میں شائع کر دیا جائے تو شبلی اور ان کے اٹھائے اور موضوع بحث بنائے مسائل وامور کے ایسے گوشے بھی بدلتے ہوئے حالات میں سامنے آئیں گے جن پر پہلے کما حقہ توجہ نہیں دی جا سکی تھی۔ ڈاکٹر محمد الیاس نے زیر تبصرہ کتاب ''کتابیات شبلی'' میں بڑی محنت وکاوش سے انہیں پیش کر کے بڑی حد تک آسان کر دیا ہے اور شبلیات کے طلبہ کے ہاتھوں میں گویا شاہ کلید تھما دی ہے۔ وہ اس کے ذریعہ سے بڑی آسانی سے اپنے مطلب کے موضوعات تک رسائی حاصل کر سکتے ہیں۔ گرچہ کتابیات شبلی کی ترتیب کا کام پہلے بھی کچھ حضرات نے کیا تھا، تاہم ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کا کام سب سے زیادہ جامع ومکمل ہے۔ زیرِ تبصرہ کتاب میں پہلے کا کام بھی شامل ہے۔ کتاب ۱۷۲ر صفحات پر مشتمل ہے۔ جن میں چار حصوں رتصنیفات وتالیفاتِ شبلی، مطالعات شبلی، تنقید وتجزیہ تصانیفِ شبلی اور اشاریہ مصنفین رمترجمین رمقالہ نگار کے تحت تقریباً تمام تر کتابیات شبلی کا احاطہ کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور جس سلیقہ مندی سے موضوعات و عنوانات کو کتاب میں سمونے کا کام کیا ہے اس سے مرتب کتاب کی محنت، ذوق جستجو اور علامہ شبلی سے تعلق کا پتا چلتا ہے۔ اس طرح کا کام اس وقت تک انجام پذیر نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اسے عبادت کا درجہ دے کر اس کی لذت ومسرت میں آدمی ڈوب نہ جائے۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے

علامہ شبلی کی تصنیفات اور تحریروں کے مختلف زبانوں عربی، فارسی، انگریزی، ترکی وغیرہ میں ترجمے مختلف شائع اڈیشنوں کی تعداد، حوالے کے ساتھ تفصیل دے کر اپنی عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے اور کتاب کو مفید سے مفید تر بنانے کی پوری سعی کی ہے۔ شبلی پر لکھی جانے والی کتابوں کے علاوہ اردو اور دیگر زبانوں میں چھوٹے بڑے مضامین، مقالات اور ان کے متعلق موافق و مخالف نقاطِ نظر والی تحریروں اور وہ کہاں اور کب شائع ہوئیں۔ سب کو شامل کتاب کر کے قدر شناسانِ شبلی کے لیے اسے ایک قیمتی تحفے کے طور پر پیش کیا ہے۔ جو اہل علم، تحقیق و تصنیف سے واسطہ رکھتے ہیں وہ یقیناً اس کا احساس رکھتے ہیں کہ اس طرح کا کام کتنا مشکل اور مفید ہے۔ اہل قدر و طلب کی طرف سے مرتب کتاب مبارک باد کے لائق ہیں۔

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ شبلی کی شخصیت، خدمات کو کس قدر قابل اعتنا و توجہ سمجھا گیا، مثلاً موازنہ انیس و دبیر پر ہی لکھی جانے والی تحریروں کی تعداد چار درجن سے زیادہ ہے، اس میں مضامین کا نمبر شمار جو ۱۷۰ تک پہنچ جاتا ہے، درج کر کے بتا دیا ہے کہ اہل علم نے شبلی میں کس قدر دلچسپی لی ہے۔ شبلی کی کتابوں کے اڈیشنوں کی تفصیلات کے ساتھ متعلقاتِ شبلی کے مختلف عنوانات کے تحت تمام تر ضروری باتوں کا اشاریہ شامل کتاب کیا گیا ہے۔ اردو، عربی، فارسی، کتب، مدونہ کتب و رسائل، تلخیص تصنیفاتِ شبلی، تراجم تصنیفات شبلی کے تحت اردو ترجمے، انگریزی تراجم، بنگالی ترجمے، پشتو ترجمے، تاجک ترجمے، ترکی ترجمے، تمل ترجمے، عربی ترجمے، فارسی ترجمے جیسے سیکڑوں عنوانات کے تحت درج تفصیلات سے اس بات کو آئینہ کر دیا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب مولانا شبلی کی حیات اور خدمات کے موضوع پر اہل علم کی دل چسپی میں اضافے کا باعث ہوگی اور ایک بہتر رہنما کا کام کرے گی۔

[ہماری زبان دہلی، ۱۵-۲۱/ اپریل ۲۰۱۲ء ص ۶]

[۳]

شبلی سخنوروں کی نظر میں

پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی

شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی

شبلی سخنوروں کی نظر میں تبصرہ لکھنے کے لئے بیٹھا تو مرزا غالبؔ کا یہ شعر حافظہ میں در آیا:

دم لیا تھا نہ قیامت نے ہنوز
پھر ترا وقت سفر یاد آیا

بظاہر اس شعر کا اس تبصرہ سے کوئی تعلق نہیں ''ہے'' اور جی بھر کے ہے۔

متعلقات شبلی، کتابیات شبلی اور آثار شبلی کے بعد ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' قیامت دم لے یا نہ لے لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہیں کہ شبلی شناسی کی راہ میں سفر مدام میں مبتلا ہیں۔ اہل اردو اب تک غالب شناسی و اقبال شناسی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے لیکن مولانا شبلی ان لوگوں سے کم نہ تھے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ شبلی پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جا رہا ہے لیکن جس جوش و جذبہ اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا ہے، وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے اور اس شعر کا معنوی مصداق بھی:

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

ان کی ساری تصانیف قاموسی نوعیت کی ہیں۔ ''کتابیات شبلی'' ان کی اہم تالیف ہے اور شبلی شناسی کے لئے کتب نما کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان تصانیف کی جمع و ترتیب میں علامہ شبلی نعمانی

کی شخصیت اور ان کے لازوال کارناموں پر مستند شعراء کی شعری تخلیقات اور مولانا سید سلیمان ندوی کا یہ اقتباس ان کی نظر سے گذرا کہ:

''مولانا شبلی کی وفات پر اخبارات و رسائل میں اس کثرت سے مرثیے اور تاریخی قطعے شائع ہوتے رہے کہ ان کو اگر جمع کر دیا جائے تو ایک مفصل کتاب بن جائے۔'' (حیات شبلی ص ۶۶۳ طبع جدید ۲۰۰۸ء ص ۱۳)

''دیوانہ را ہوئے بس است'' کے مصداق اس اقتباس نے ڈاکٹر الیاس اعظمی کے اس خیال کو نہ صرف مہمیز کیا بلکہ یہ تعبیر بھی کرا دیا کہ بازخوانی ہی سہی ان نظموں کو یکجا کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے اور پھر وہ دیوانہ وار اس کام میں دلجمعی سے لگ گئے اور تلاش و تجسس اور تفتیش و تحقیق میں سرگرم کار ہو گئے۔ ان معلومات کی جمع آوری کے دوران یہ خیال بھی ان پر غالب رہا کہ ان شعراء کے مختصر حالات زندگی اور علامہ شبلی سے ان کے روابط و تعلقات کی نوعیت بھی واضح کر دی جائے تو کتاب کی اہمیت دو چند ہو جائے گی۔ چنانچہ ان تمام شعراء کے مختصر حالات اور کارناموں کو اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے جن کی تخلیقات اس میں شامل ہیں۔ علامہ شبلی سے ان کے تعلقات کی نوعیت و عقیدت کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے۔

علامہ شبلی علمی دنیا کے تاجدار تو تھے ہی کثیر الجہات شخصیت کے مالک بھی تھے۔ وہ اردو فارسی کے پختہ مشق، قادر الکلام اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ ان کی فارسی شاعری سے متعلق مولانا آزاد کا یہ اقتباس قول فیصل کی حیثیت رکھتا ہے کہ:

''ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ مرزا غالب پر نہیں علامہ شبلی پر ہوا۔''

(کاروان خیال ص ۹۳ بجنور)

''علامہ شبلی کی زندگی میں جب کوئی قابل تحسین موقع آیا تو ان کے احباب میں مولانا حالی، اکبر الہ آبادی وغیرہ اور ان کے ارشد تلامذہ میں مولانا حمید الدین فراہی، مولانا سید سلیمان ندوی، اقبال احمد خاں سہیل، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں وغیرہ داد سخن دیتے رہے اور ان کی عظمت اور کارناموں کو شعری قالب عطا کرنے میں فراخ دلی سے کام لیتے رہے۔ ہر خوشی و غم و اندوہ کے مواقع پر خواہ روم و مصر و شام سے واپسی کا موقع ہو، شمس العلما کے خطاب سے نوازا جانا

ہو، بمبئی کی خوش رنگیاں ہوں، حادثۂ گزندپا ہو، اسلامیان ہند کے مسائل ہوں، جنگ بلقان ہو، کانپور کی مسجد کی شہادت کا مسئلہ ہو وغیرہ وغیرہ تمام مواقع پر شعراء نے تہنیتی اشعار بھی کہے اور مرثیے بھی۔

۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء کو ان کی وفات کے بعد ہندوستان کے طول وعرض میں صف ماتم بچھ گئی۔ اخبارات ورسائل میں تعزیتی مضامین کی کثرت، مقالات کی بہتات، شعراء وادبا اوران کے احباب وتلامذہ کے کثرت سے مراثی، قطعات، رباعیات اور نظمیں لکھی گئیں۔ یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ فاضل مرتب نے ان سب کو زیر نظر کتاب میں جمع کردیا ہے۔

یہ کام اپنی جگہ پر قابل قدر ہے لیکن ان بزرگوں کے احوال وکوائف کی جمع وترتیب کے لئے وہ تلاش وجستجو کے جن مراحل سے گذرے ہیں دانتوں پسینہ آ گیا ہوگا اوراسے دامے، درمے، قدمے سخنے جو کچھ ان سے بن پڑا ہے وہ انہوں نے کیا ہے۔ میں یہاں ان کی تلاش وجستجو کا ایک واقعہ بیان کرونگا جس سے ان کی سعی مشکور کا کچھ اندازہ ہوگا۔

عاجز راقم کا تعلق ردولی شریف سے ہے۔ ردولی کے ایک شاعر مضطر ردولوی کا ''مرثیہ شبلی'' ماہنامہ معارف اعظم گڑھ نومبر ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا۔ اسے جناب اقبال ردولوی مرحوم (راقم کے عزیز اور دوست) نے مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم کو معارف اعظم گڑھ میں اشاعت کی غرض سے بھیجا تھا۔ مضطر ردولوی کے بارے میں سوائے اس کے کہ وہ ردولوی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے کچھ اور معلوم نہ ہوسکا۔ مرتب نے سب سے پہلے راقم سے رابطہ قائم کیا۔ ہر ممکن کوشش کے باوجود راقم کو ان کے بارے میں مزید معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔ پروفیسر شارب ردولوی اور جناب تقی شبر سے بھی کچھ معلومات حاصل نہ ہوسکی۔ ردولی سے متعلق جو کتابیں لکھی گئیں ہیں وہ بھی مضطر کے متعلق خاموش ہیں، لیکن ڈاکٹر اعظمی لکھتے ہیں کہ:

> ''البتہ مضطر ردولوی کا یہ مرثیہ بڑا معیاری ہے اور شاعرانہ احساسات کے لحاظ سے یہ ایک مکمل مرثیہ ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مضطر ردولوی غالبًا علامہ شبلی کے ہم عصر تھے۔''

مولانا حالی کا یہ شعر:

ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
تو شبلی سا وحید عصر و یکتائے زمن دیکھیں

ایک ایسا شعر ہے جس کی شبلی شناسی کے میدان میں دوسری مثال نہیں پیش کی جاسکتی۔

جی تو چاہتا ہے تمام اکابرین کے اشعار پیش کیے جاتے مگر مختصر سے تبصرہ میں یہ ممکن نہیں۔ مرتب کتاب نے مولانا فاروق چریا کوٹی اور مولانا حالی سے لے کر اس کا اختتام اکبر علی خاں عرشی زادہ پر کیا ہے۔ اکبر علی خاں عرشی زادہ علامہ شبلی کے شیدائیوں میں تھے۔ ۱۹۷۸ء میں ماہنامہ ''تحریک'' کے مدیر گوپال متل نے تحریک کے سلور جبلی نمبر کے لئے عرشی زادہ سے علامہ شبلی کے مجموعۂ غزلیات، دستۂ گل، بوئے گل اور برگ گل کی ۲۷ منتخب غزلوں اور ایک خیر مقدم کا منظوم ترجمہ کرا کر شائع کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک انوکھا خراج عقیدت تھا۔

گوپال متل نے ایک صفحے پر اس کا عنوان ''عطیہ شبلی'' دیا ہے جو کہ کتاب کے ۲۴۲ صفحہ سے ۲۷۸ صفحات پر محیط ہے۔ ان کی غزلوں کی ابتداء کا سن ۱۹۰۶ء ہے۔ یہ زمانہ مولانا کے بمبئی کے قیام کا زمانہ تھا۔ یہ غزلیں دوآتشہ ہیں۔ زیادہ نظمیں بمبئی سے متعلق ہیں لیکن کہیں کہیں اشارے عطیہ کی طرف بھی ملتے ہیں اور اسی سال عطیہ سے ان کی ملاقاتیں بھی ہوئیں۔ ان اشعار کا اختتام نومبر ۱۹۰۹ء ہے۔ ۱۸؍نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا شبلی کے سانحۂ ارتحال کا سال ہے۔

اس کا عنوان ''عطیہ شبلی'' کے بجائے ''شبلی اور بمبئی'' ہوتا تو زیادہ مناسب تھا۔ ''عطیہ شبلی'' کا عنوان میری فہم سے بالاتر ہے۔ اس میں کچھ شر کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔

شبلی کی غزلوں کا عرشی زادہ نے سہل و سادہ ترجمہ کیا ہے جسے پڑھ کر طمانیت حاصل ہوئی اور بہت خوب ہے۔ گوپال متل نے غالباً اپنے رسالے کو چٹ پٹا بنانے کے لئے عطیہ فیضی کے نام مولانا کی دو مختصر تحریروں کو رسالہ میں شامل کیا ہے جس سے کوئی خوش ہو یا نہ ہو لیکن اس سے مرحوم امین زبیری، مولوی عبدالحق مرحوم، شیخ محمد اکرام مرحوم اور ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم کی روح پر فتوح ضرور خوش ہوں گی۔

شبلی سے متعلق ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے اس کتاب میں ۵۴ شعراء کی شعری کاوشوں کو یکجا کر کے بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اس سے ان کی تلاش و جستجو، تفتیش و تحقیق اور شبلی سے ان کی دیوانگی

ووارفتگی قدم قدم پر عیاں ہے اور بقول سید حامد ''ان کی اصابت رائے، تہذیب اسلوب، طرز استدلال، سنجیدہ بیانی اور پیرایہ کی شگفتگی قدم قدم پر نمایاں ہے۔''

ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی یہ کتاب ان کی دوسر تصانیف کے ساتھ تحقیق کے اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہے۔ یقین واثق ہے کہ اہل نظر حضرات کی نگاہ میں قابل اعتبار ٹھہرے گی۔

ایں دعا از من و جملہ جہاں آمین باد

نورین علی حق

انقلاب، وارانسی

شبلی سخنوروں کی نظر میں ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کی تازہ تصنیف ہے، جو ابھی جلد ہی شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب میں ان شعراء کا تذکرہ ہے جنہوں نے علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور فکر وفن پر نظمیں، قطعات اور رباعیات لکھی ہیں۔ علامہ شبلی کی موت پر لکھی جانے والی نظموں کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ شبلی نعمانی کی نظموں اور غزلوں پر جن شعراء نے تضمین کی ہے ان کا بھی ذکر ہے۔ ان میں مولانا الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد، علامہ اقبال، احسن مارہروی، اقبال سہیل، مسعود الرحمٰن کلام، احسن اللہ خاں ثاقب، وحشت کلکتوی، مولانا ظفر علی خاں، سید سلیمان ندوی، یحیٰ اعظمی جیسے مشاہیر شعراء کے ساتھ ساتھ ضیاء الرحمٰن اعظمی، ڈاکٹر شکیل اعظمی، ڈاکٹر احمد علی برقی وغیرہ کا تذکرہ اور ان کی کاوشیں بھی شامل ہیں۔ کتاب ان شعراء کی تصاویر سے بھی مزین ہے جن کا تذکرہ اور کلام شامل کتاب ہے۔ اس طرح یہ کتاب اپنے موضوع پر پہلی اور منفرد کتاب ہے۔ یہ مصنف کی مسلسل دو سال کی محنت کا نتیجہ ہے۔ ۳۱۲ر صفحات پر مشتمل اس کتاب کو ادبی دائرہ اعظم گڑھ نے شائع کیا ہے۔ قیمت ۳۰۰ر روپئے درج ہے۔ کتاب دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ اور ایجوکیشنل بک ہاؤس شمشاد مارکیٹ علی گڑھ سے بھی حاصل کی جاسکتی ہے۔

[روزنامہ انقلاب لکھنؤ ۱۵ر جولائی ۲۰۱۲ء]

ڈاکٹر ابرار اعظمی

سابق صدر شعبہ تعلیمات، مالٹاری پی جی کالج مالٹاری

کوئی شخص عظیم کیوں ہوتا ہے؟ اس کی عظمت کا صحیح اعتراف کون کرتا ہے؟ کوئی شخص عظیم ہوتا ہے اپنے کارناموں کی وجہ سے اور عموماً عظمت کا اعتراف، حقیقی اعتراف گزرتے ماہ و سال کرتے ہیں۔ وقت کرتا ہے۔ وقت، جو اقبال کے لفظوں میں ''ہر دم رواں پیہم دواں'' ہے۔ یوں بھی کسی پارۂ فن کی صحیح تحسین، ذرا دور سے ہی کی جاسکتی ہے۔

علامہ شبلی نعمانیؒ کی وفات کو تقریباً سو برس ہونے کو ہیں مگر ان کی عظمت کے نشانات نہ صرف نمایاں تر ہوتے جارہے ہیں بلکہ نت نئی جہات کی تلاش بھی کی جارہی ہے۔ ایسی ہی ایک نئی جہت کی خوشگوار تلاش کا نام ہے۔ ''شبلی سخنوروں کی نظر میں''۔

اس کتاب کے مصنف ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے دیباچہ میں علامہ کے مایہ ناز شاگرد اور جانشین سید سلیمان ندوی (۱۹۵۳-۱۸۸۴ء) کی گراں مایہ تصنیف ''حیات شبلی'' سے یہ جملہ نقل کیا ہے:

> ''مولانا (شبلی) کی وفات پر اخبارات و رسائل میں اس کثرت سے مرثیے اور تاریخی قطعے شائع ہوتے رہے کہ اگر ان کو جمع کر دیا جائے تو ایک مبسوط کتاب بن جائے۔''

زیر نظر کتاب شاید اسی خواہش کی تکمیل ہے اور بڑے سلیقہ سے، اس ضمن میں صاحب سیرت النبی ﷺ، مصنف ''حیات شبلی''، اور موجودہ مصنف کے مابین ایک زیریں لہر کی طرح محسوس کی جانے والی مثبت عقیدت کے ایک احساس مسلسل کا ذکر، شاید بے جا نہ ہو۔

کتاب میں ۵۴ر شعرائے کرام کی متعدد (کسی کی ایک اور کسی کی ایک سے زیادہ) نگارشات شعری یکجا کر کے شائع کر دی گئی ہیں۔ مقصد یہ رہا ہے کہ علامہ شبلی کے بارے میں جو کچھ بھی کہیں اور کبھی بھی شائع ہوا ہے، یکجا کر کے شائع کر دیا جائے۔ چنانچہ مصنف نے خود لکھا ہے:

> ''......اس میں بہت سی کمزور نظمیں بھی شامل کر لی گئی ہیں۔''

لیکن اس سے ایک ضمنی خصوصیت یہ در آئی ہے کہ اس مجموعہ میں :

''اصناف سخن کے لحاظ سے قصیدہ ، مثنوی، مرثیہ، قطعہ، رباعی، مسدس، نظم، غزل، کتبہ لوح مزار وغیرہ تقریباً سبھی اصناف سخن شامل ہیں۔ یہ سبھی اصناف مختلف زمینوں اور بحروں میں ہیں۔''

لیکن مصنف نے ایک اور خصوصیت کا ذکر نہیں کیا۔ کتاب میں شامل نگارشات اردو کے علاوہ عربی اور فارسی میں بھی ہیں۔

اس کتاب کے مطابق، علامہ شبلی کے بارے میں سب سے پہلی منظوم نگارش ۱۸۸۵ء میں شائع ہوئی اور آخری نظم ۲۰۱۱ء میں لکھی گئی۔ اس طویل عرصہ میں علامہ سے متعلق شائع شدہ نگارشات شعری کی تلاش و تدوین ایک بڑا کام تھا، لیکن اس سے بھی دشوار اور منفرد کام تھا مجموعہ میں شامل ہر ایک شاعر اور ادیب کے حالات زندگی مرتب کرنا اور ان کی فکر و فن کا ہلکا سا جائزہ بھی لینا۔ اس معاملہ میں جو تگ و دو کرنی پڑی ہوگی وہ اظہر من الشمس ہے۔ جہاں تک ان ۵۴/ادباء و شعراء کے مختصر مگر جامع تذکرہ کا معاملہ ہے، چند ایک مواقع کے علاوہ جہاں مصنف نے غیر ضروری طول بیان سے کام لیا ہے، تذکرہ نویسی میں کامیاب رہے ہیں اور کئی جگہوں پر اس کم علم کی معلومات میں اضافہ کا باعث ہیں۔

محدود پیمانہ پر سہی، مجھے ''آب حیات'' کی یاد آئی۔

کتاب میں شامل شعرائے کرام اور ادیبوں کی فہرست پر نظر ڈالیں تو شعر و ادب کی ایک کہکشاں سی نظر آتی ہے۔ جس میں بجا طور پر کچھ ستارے ہیں، کچھ سیارے اور بہت سے ذیلی سیارے۔ چند ستاروں کے نام درج کرنے کو جی چاہتا ہے۔ مولانا فاروق چریا کوٹی، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا الطاف حسین حالی، عزیز لکھنوی، اکبر الہ آبادی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ظفر علی خاں، علامہ اقبال، سید سلیمان ندوی۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اول الذکر علامہ شبلی کے استاد ہیں اور آخر الذکر شاگرد۔

ڈاکٹر الیاس صاحب کو علامہ شبلی اور دبستان شبلی سے بے حد عقیدت ہے لیکن یہ عقیدت (ان کے اکثر مداحوں کی طرح) پرستش کی سرحدوں کو کبھی نہیں چھوتی۔ ثبوت، ان کی

تصنیف کردہ درج ذیل کتابیں ہیں:

۱۔	سید سلیمان ندوی بحیثیت مورخ	۲۰۰۱ء
۲۔	دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات	۲۰۰۲ء
۳۔	شاہ معین الدین احمد ندوی: حیات وخدمات	۲۰۰۷ء
۴۔	متعلقات شبلی	۲۰۰۸ء
۵۔	کتابیات شبلی	۲۰۱۱ء

اس کے علاوہ انہوں نے علامہ کی دو مشہور کتابوں کی تدوین نو بھی کی ہے:

۱۔	اورنگ زیب عالم گیر پر ایک نظر	۱۹۹۹ء
۲۔	موازنہ انیس و دبیر	۲۰۰۴ء

دیباچہ میں ''آثار شبلی'' کا ذکر بھی آیا ہے۔ اگر نام سے لگایا جانے والا اندازہ درست ہے تو یہ کتاب غیر معمولی ہوگی۔

الیاس صاحب کے اسلوب نگارش میں بتدریج نکھار آیا ہے۔ علامہ شبلی نے جس زبان وبیان کی بناء ڈالی تھی۔ سادگی و پرکاری سے مزین۔ اس کی ارتقاء کا ایک عمدہ نمونہ زیر نظر کتاب میں ملتا ہے۔ یوں بھی بھاری بھرکم الفاظ اور معرب اور مفرح انداز تحریر ترسیل میں ناکامی کے المیہ کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔

''شبلی: سخنوروں کی نظر میں'' ایک باتصویر کتاب ہے۔ کتاب کھولتے ہی علامہ شبلی کی تصویر نظر آتی ہے اور ''چشم ما روشن و دل ماشاد'' کا مفہوم واضح ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ بیس تصاویر اور بھی ہیں۔ ان میں سے بعض کے حصول کے لئے بڑی کدوکاوش کرنی پڑی ہوگی۔

''شبلی: سخنوروں کی نظر میں'' ایک تحقیقی کتاب ہے اور تحقیق میں کوئی کاوش حرف آخر نہیں ہوتی۔ کتاب میں کئی جگہوں پر واقعاتی غلطیاں بھی راہ پا گئی ہیں۔ اشاعت ثانی ہوئی تو ممکن ہے کہ مصنف کو کچھ اور ناموں کا اضافہ کرنا پڑے اور موجودہ شکل کو نظر ثانی سے بھی نوازنا پڑے۔ ۳۱۲ر صفحات کی یہ کتاب اچھے کاغذ پر خوبصورت چھپی ہے اور مجلد ہے اور اس میں کتابیات اور اشاریہ بھی شامل ہے۔ یقیناً اس سے علامہ شبلی نعمانی کے علم وفضل اور کمالات کا ایک منظوم مرقع

سامنے آتا ہے۔وابستگان علم وفکر شبلی کی طرف سے مبارک باد۔

پروفیسر محسن عثمانی

سابق صدر شعبہ عربی،سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف لنگویجز،حیدرآباد

شبلی انگریزی کی رومانی شاعری کا روشن ستارہ ہے۔شبلی مؤرخ، ناقد اور اسلامی اور ملی شاعری کا مینارہ نور ہے۔ نام میں صرف نقطہ کا فرق ہے اور کام میں نقطہ نظر کا۔فن کے اعتبار سے دونوں کی حیثیت مسلم اور محترم لیکن موضوع اور مقصد کے اعتبار سے دونوں میں بعد المشر قین۔

شبلی مؤرخ، سیرت نگار، ناقد ، ادیب اور شاعر تھے۔ایک مدت تک گنبد گردوں ان کے نام اور کام سے گونجتا رہا اور ابھی تک ان کا نہ کوئی مثیل ، نہ عدیل اور نہ کوئی بدیل سامنے آسکا ہے۔شبلی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جاتی رہیں گی،لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتابیں شبلی اور متعلقات شبلی کے موضوعات پر سبد گل کی حیثیت رکھتی ہیں۔حیات شبلی کا مطالعہ کرنے والا ان کی تحریروں سے صرف نظر نہیں کرسکتا۔شبلی اور شبلی سے وابستہ ہر چیز کی محبت ان کے رگ وپے میں اس طرح سرایت کرگئی ہے''شاخ گل میں جس طرح باد سحر گاہی کا نم''۔

اسی محبت کا کرشمہ ہے کہ انہوں نے اب ان نظم نگاروں اور نظموں کو جمع کیا ہے جو شبلی کے بارے میں لکھی گئی ہیں۔یہ نظمیں محبت کے باج اور عقیدت کے خراج کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان نظموں کو جمع کرنے کے لئے انہوں نے ہر کنویں میں ڈول ڈالا اور ہر خزانہ علم تک رسائی حاصل کی۔انہوں نے ان کو اس طرح جمع کیا جس طرح چیونٹی شکر کے دانے جمع کرتی ہے یا جس طرح ایک پرندہ اپنے آشیانہ کی تعمیر کے لئے ہر طرف سے تنکا اور سامان جمع کرتا ہے۔جب تک ایک محقق اپنے مقام سے آگے بڑھ کر شہید جستجو نہ بن جائے وہ ایسی گراں مایہ علمی خدمت نہیں انجام دے سکتا۔جس ذات گرامی کے لیے قرآن میں ''ورفعنا لک ذکرک'' کی آیت نازل ہوئی ہے اس کے سیرت نگار کے لیے بھی رفعت ذکر کی نوید آسمان سے آتی ہو تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔

ڈاکٹر شکیل احمد

قاسمی منزل، ڈومن پورہ، مئو

''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تازہ اور اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد مصنف کی عرق ریزی کا اندازہ کر کے حیرت ہوتی ہے کہ خاصی جانفشانی اور تلاش وجستجو کے بعد انہیں اس کتاب کے مواد تک رسائی ہوئی ہے۔

یوں تو اس کتاب میں شامل مواد کا بہت بڑا حصہ دستیاب تھا اس کے ترتیب دینے کی ضرورت تھی مگر بے حد مشکل کام یہ تھا کہ علامہ شبلی کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد سے تا حال ان کی خدمات کے اعتراف میں جو بھی منظوم خراج عقیدت پیش کئے گئے وہ کہاں شائع ہوئے؟ مواد کہاں دستیاب ہوگا؟ اس کے لئے مصنف کو نہ جانے کتنے رسائل اور کتابوں کی ورق گردانی کے سخت مرحلے سے گزرنے کے بعد کچھ مطلب کی چیزیں ہاتھ آئی ہوں گی۔ مطالعہ سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ بعض شعراء کے حالات زندگی باوجود تلاش کے کسی بھی ذریعہ سے حاصل نہ ہو سکے۔ حالانکہ اس کے لئے موصوف نے ذاتی طور پر سینکڑوں حضرات سے رابطہ کر کے معلومات حاصل کرنا چاہی۔ کہیں تو کامیابی حاصل ہوئی مگر خاصی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ آیئے کتاب کے مشمولات پر ایک نظر ڈالیں۔

سرورق نفیس اور پرکشش ہے۔ فولڈر میں ایک طرف جناب سید حامد صاحب اور دوسری جانب پروفیسر محسن عثمانی کے بے حد قیمتی تاثرات مصنف کتاب اور ان کے اب تک کے تصنیفی کاموں کے متعلق ہیں جس میں صرف سچ ہے اور سچ کے سوا مزید کچھ بھی نہیں ہے۔

صفحہ چار پر کتاب کے متعلق بنیادی معلومات، صفحہ پانچ پر علامہ شبلی نعمانیؒ کی تصویر، مزید تین صفحات پر ان بیس شعراء کی تصاویر ہیں جن کے منظوم تاثرات اس کتاب کی زینت ہیں اور جن کی تصاویر دستیاب تھیں۔

کتاب کا انتساب ڈاکٹر سفیر اختر ''مدیر نقطہ نظر'' کے نام ہے۔ نو صفحات پر مشتمل قابل قدر دیباچہ مصنف کے قلم سے اس کتاب کے تعارف کے بطور شامل ہے۔ اظہار تشکر مختصر مگر پر اثر

جملوں پر مشتمل ہے جس میں صدق دل سے ان معاونین کا شکریہ ادا کیا گیا ہے جن کے تعاون سے کتاب کی ترتیب و اشاعت میں آسانیاں پیدا ہوئیں۔

بقیہ اصل مواد اور کتاب ۲۸۰ رصفحات پر مشتمل ہے جس میں ان تمام شعراء کا تعارف اور منظوم خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے جو اب تک مصنف کو دستیاب ہو سکے ہیں۔ ان میں شہرت یافتہ اور گمنامی کے دائرہ میں چلے جانے والے تمام شعراء شامل ہیں مشاہیر میں مولانا فاروق چریاکوٹی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولانا الطاف حسین حالی، اکبر الہ آبادی، عزیز لکھنوی، علامہ حمیدالدین فراہی، علامہ اقبال، مولانا ظفر علی خاں، سید رضا علی وحشت، علامہ سید سلیمان ندویؒ، اقبال احمد خاں سہیل، مولانا احسن مارہروی، کیفی اعظمی، یحیٰ اعظمی، عرشی زادہ اور شبنم سبحانی (سید عبدالباری) جیسے ناموں کے ساتھ کم معروف حضرات میں حافظ عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی، نواب سید علی حسن خاں، احسن اللہ خاں ثاقب، سید نثار حسین، سید ظہور الحسن موسوی، خاں بہادر سید مسعود حسن مسعودؔ، پروفیسر شیخ غلام محمد طور، محمد مسلم عظیم آبادی، مولوی مسعود الرحمٰن کلام، مولانا مائل نقوی، سجاد انصاری، سید نظر زیدی، اعجاز چغتائی، خالد بزمی، ایم اے قدیر اور ڈاکٹر ابرار اعظمی وغیرہ شامل ہیں۔

کتاب میں شامل تمام شعرا کا تعارف جامع انداز میں پیش کیا ہے۔ بعض شعراء کے ساتھ مجبوری تھی کہ ان کا منظوم نذرانہ تو رسائل میں موجود ہے مگر ان کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ حالانکہ مصنف نے اپنے طور پر جملہ ممکن ذرائع کو استعمال کیا مگر مایوسی کے علاوہ کچھ ہاتھ نہ آ سکا۔ بطور نمونہ صفحہ ۱۷۰ کا مضطر رودولوی سے متعلق اقتباس پیش ہے:

> مضطر رودولوی کے بارے میں سوائے اس کے کہ وہ رودولی ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے تھے کچھ اور نہ معلوم ہو سکا۔ پروفیسر خورشید نعانی رودولوی، جناب شارب رودولوی اور جناب تقی شبر رودولوی بھی ان کے بارے میں کچھ بتانے سے قاصر رہے۔ مضطر ردولوی کا یہ مرثیہ بڑا معیاری ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے، مرثیہ نگاری کے فن کے لحاظ سے اور شاعرانہ احساسات کے لحاظ سے یہ ایک مکمل مرثیہ ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ مضطر رودولوی غالباً شبلی

کے ہم عصر تھے۔

مشاہیر کے تعارف میں اختصار اور جامعیت کا خاص اہتمام کیا گیا ہے تاکہ طوالت سے بچتے ہوئے ضروری باتیں آجائیں اور علامہ شبلی سے متعلق منظوم کلام پر بھی روشنی ڈالتے ہوئے کلام کو پیش کردیا جائے ۔مثال کے لئے اکبرالہ آبادی کے متعلق صفحہ ۴۶ کا اقتباس پڑھیئے:

اردو میں طنزیہ ومزاحیہ شاعری کے باوا آدم ہیں۔طنز ومزاح کے پیکر میں انہوں نے سنجیدہ معلومات کو جس طرح ڈھالا اور اس سے جو مفید کام لیا وہ بس انہیں کا کام تھا۔اور حقیقت یہ ہے کہ وہ انہیں پر ختم بھی ہوگیا۔ ہماری ادبی تاریخ ان کی نرالی شاعری کو کبھی فراموش نہ کرسکے گی۔''

تعارف کا انداز بعض مقامات پر گمبھیر اور غم انگیز بھی ہوگیا۔علامہ سید سلیمان ندوی کے تعارف میں یہ اقتباس اس ضمن میں پڑھنے کے قابل ہے۔صفحہ ۱۱۰ کی یہ تحریر صداقت کی منہ بولتی تصویر کے ضمن آئے گی۔

''وہ یہاں استاذ بھی رہے اور ماہنامہ الندوہ کے سب ایڈیٹر بھی۔ بعد میں معتمد تعلیم بھی نامزد ہوئے۔طلبہ کے لئے لغات جدیدہ بھی تیار کی۔غرض وہ ندوہ سے مختلف حیثیتوں سے وابستہ رہے اور انہیں اخیر تک وہ مقام حاصل رہا جو سب کچھ کرنے کے باوجود ان کے استاذ علامہ شبلی کو نہ مل سکا۔''

صفحہ ۱۲۴ پر اقبال سہیل کے بارے میں کیا سچا جملہ لکھا:

''سہیل صاحب نے اپنا میدان عمل شاعری کے بجائے وکالت منتخب کیا اور علی گڑھ سے واپسی کے بعد اعظم گڑھ میں وکالت شروع کی اور اپنی سب صلاحیتیں وکالت ہی کی نذر کردیں۔''

اس کتاب میں نذر شبلی اور متعدد عنوانات کے تحت ایک سے بڑھ کر ایک منظومات اور تاثرات شامل ہیں۔احسن مارہروی کا نذرانہ عقیدت سب سے طویل مرثیہ کی صورت میں کتاب کی زینت ہے۔

''کسوف الشمسین ''کے عنوان سے مولانا حالی اور علامہ شبلی نعمانی دونوں کو یکجا خراج

عقیدت، مسدس ۵۹/ بند پر مشتمل ہے اور بے حد پر اثر ہے۔

اس کتاب میں سب سے زیادہ صفحات اکبر علی خاں عرشی زادہ کے منظوم ترجمے کے ذریعہ علامہ شبلی کی ۲۷/ فارسی غزلیات کو ملے ہیں۔ ان ۲۷/ فارسی غزلوں کا اردو منظوم ترجمہ عرشی زادہ کے ذریعہ کیا گیا ہے اور فارسی اشعار کے سامنے شائع ہوا ہے۔ مرحوم عرشی زادہ علامہ شبلی کی ۲۷/ فارسی غزلیات، رسالہ ''تحریک'' اور اس کے مدیر گوپال متل کے تعلق سے جامع اور تفصیلی تعارفی نوٹ کے بعد غزلیں مع ترجمہ ۴۱/ صفحات پر شائع ہوئی ہیں۔ مترجم نے منظوم انداز میں شبلی کی فارسی غزلوں کو اردو قالب میں پیش کیا ہے۔ جو بقول ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ''ایک انوکھا خراج عقیدت'' ہے۔

''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' ایسی کتاب کے طور پر اپنے مطالعہ اور لائبریری میں رکھے جانے ے لائق ہے کہ اس میں علامہ شبلی کی حیات اور وفات کے بعد سے آج تک پیش کئے گئے تمام دستیاب منظوم خراج عقیدت کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ یہ مصنف کا ایک ایسا کارنامہ ہے جو تحقیق اور تدوین کے دائرہ میں آتا ہے اور ایسے کاموں کو ادبی تاریخ میں ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ مجھے توقع ہے کہ اس کتاب کے ساتھ بھی اہل علم وہی علمی اور فکری انس پیش کریں گے جو اردو اور مشرقی تہذیب کا نمایاں وصف ہے۔

علامہ شبلی نعمانی جیسی نابغہ روزگار شخصیت پر ارباب فکر و نظر کے ذریعہ اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ بظاہر اس میں کچھ اضافے کی گنجائش نہیں معلوم ہوئی لیکن ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی اس کتاب نے اس خیال کو باطل ثابت کر دیا اور علامہ مرحوم پر ایک نئے زاویے سے علمی کام کیا کہ اب تک اس پر کسی اور کی نظر نہیں گئی تھی یا اگر گئی بھی ہو تو کام کی پیچیدگی اور عرق ریزی سے خائف ہو کر اس نے ہمت ہی نہ کی ہو۔ اپنی نوعیت کے اس اہم علمی کارنامے کے لئے مصنف بجا طور پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ شبلی شناسی کے تعلق سے یہ کتاب اپنے ''اشاریہ'' کے باعث بھی قابل قدر ہے اور مجھے امید ہے کہ ادب صالح کے قدرداں اور شعر و ادب کے شائقین اس کتاب کی یکساں قدر کریں گے اور اس سے استفادہ کی بھرپور کوشش بھی۔

[ہماری زبان دہلی، ۲۲-۲۸/ جون ۲۰۱۲ء ص ۶]

خورشید اختر

ماہنامہ آج کل، دہلی

علامہ شبلی نعمانی اردو زبان و ادب کی ایک عظیم الشان اور ہمہ جہت شخصیت ہیں۔ وہ ایک بہترین انشاپرداز، لاجواب سوانح نگار، بے مثال ناقد، قابل رشک مقرر اور ملت اسلامیہ کے سچے بہی خواہ تھے۔ ان کی گراں قدر علمی و ادبی خدمات پر ناقدین ادب نے کثرت سے لکھا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے لہٰذا شبلی سے عقیدت رکھنے والوں کی ضیافت کے لیے ہر مرتبہ کچھ نیا تحقیقی کارنامہ سامنے آتا رہتا ہے۔

اس سلسلے کی تازہ پیشکش ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔ ڈاکٹر الیاس کے بارے میں یہ کہا جائے کہ ان کی رگوں میں 'عشق شبلی' مانند لہو گردش کرتا ہے تو شاید غلط نہ ہو۔ ''متعلقات شبلی''، ''کتابیات شبلی'' اور '' آثار شبلی'' کی تصنیف کے دوران موصوف کو خیال آیا کہ علامہ شبلی نعمانی کی شخصیت اور ان کے لازوال کارناموں پر متعدد شعرائے کرام نے جو منظوم اظہار خیال کیا ہے اور یہ بیش قیمت سرمایہ جا بہ جا بکھرا ہوا ہے۔ اسے یکجا کر کے کتابی شکل دینے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر الیاس نے یہ مشکل کام کر دکھایا اور ایک مفصل کتاب ہمارے ہاتھوں میں ہے۔ علامہ شبلی نعمانی کی شان میں قصیدہ گوئی کا سلسلہ ۱۸۹۲ء سے شروع ہوا جب وہ روم، مصر اور شام کا سفر کر کے ہندوستان واپس ہوئے تو ان کا والہانہ استقبال ہوا۔ بعد ازاں ۱۸۹۴ء میں جب انہیں شمس العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔ منظوم خراج عقیدت کی شکل میں مبارک باد اور اظہار مسرت کا سلسلہ رہا۔ ۱۹۰۷ء میں علامہ شبلی نعمانی اپنی زندگی کے بدترین حادثے کا شکار ہوئے جس کے نتیجے میں انہیں اپنے ایک پیر سے ہاتھ دھونا پڑھا۔ اس موقع پر بھی کثرت سے منظوم اظہار افسوس، عیادت اور ہمدردی کا اظہار ہوا۔

۱۸ نومبر ۱۹۱۴ء کو علامہ شبلی نعمانی راہیٔ ملک عدم ہوئے۔ اخبارات و رسائل میں مرثیے، قطعات، رباعیات اور نظموں میں شعرائے اردو کے اس نقصان عظیم پر اظہار ماتم کیا۔ یہ تمام منظوم سرمایہ ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' جمع کر دیا گیا ہے، ساتھ ہی ساتھ شبلی پر منظوم اظہار خیال کرنے

والے شعرا کرام کے حالات زندگی نیز علامہ شبلی کے ساتھ ان کے مراسم کی نوعیت اور دیگر اہم معلومات بھی شامل کتاب ہیں۔ مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، حافظ عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی اور نواب سید علی حسن خاں کے بارے میں بہت ہی دلچسپ واقعات شامل کتاب ہیں، جس کے سبب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' کی اہمیت وافادیت دوچند ہوگئی ہے۔

کتاب کے دیباچے میں الیاس صاحب نے مولانا شبلی کا ایک خط بھی شامل کیا ہے جس میں انہوں نے اتفاقاً بندوق چل جانے سے پیر کے شدید زخمی ہونے کا احوال لکھا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام اس خط کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شبلی نعمانی کی قوت برداشت حیرت انگیز تھی، اس اذیت ناک حادثے پر انہوں نے ہوش وحواس کھوئے بغیر جس صبر وتحمل کا مظاہرہ کیا اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ علامہ شبلی نے اس حادثے پر خود کئی رباعیاں کہیں۔ اکثر باتوں میں مزاحاً اس کا ذکر کیا کرتے تھے۔ نواب افسرالملک بہادر حیدرآباد نے ان کے لیے لکڑی کا پیر بنوایا۔ مارچ ۱۹۰۸ میں وہ حیدرآباد گئے اور نواب صاحب کے ساتھ اس کارخانے میں گئے جہاں وہ پیر تیار ہوا تھا۔ نواب صاحب پیر ہاتھ میں لیے گاڑی پر سوار ہوئے تو مولانا نے برجستہ کہا ''پا بدست دگرے دست بدست دگرے'' اسی دن نواب صاحب کو 'سر' کا خطاب ملا۔ علامہ نے کہا ''نواب صاحب آپ نے مجھ کو......'' غرض اس طرح کی بے شمار دلچسپ باتیں کتاب میں شامل ہیں اور 'شبلیات' میں اہم اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

کتاب کا سرورق سادہ لیکن جاذب نظر ہے۔ کاغذ اچھا ہے۔ طباعت معیاری ہے اور کمپوزنگ بے حساب غلطیوں سے معمور ہے۔ امید ہے کتاب اہل نظر کی پذیرائی حاصل کرے گی۔

[ماہنامہ آجکل، نئی دہلی- ستمبر ۲۰۱۲ء]

پروفیسر شارب ردولوی

سابق پروفیسر جے، این، یو، دہلی

''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ آپ نے جس جستجو سے ان

چیزوں کو جمع کیا ہے اور جس طرح ان شعراء کے بارے میں معلومات فراہم کی ہیں وہ آپ کے تحقیقی شغف اور ''شبلی شناسی'' کی خوبصورت مثال ہے۔ میں نے کتاب کا بیشتر حصہ پڑھ لیا۔ ان بکھری ہوئی اور نایاب چیزوں کو جمع کر کے آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ یہ کتاب ایک اور حوالہ کی صورت میں بہت اہم اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے کہ ''شخصی مراثی'' کا اردو میں یہ پہلا مجموعہ ہے اور میرے خیال میں کسی ایک شخص کے بارے میں اتنے مراثی نہیں لکھے گئے (یا اس طرح جمع نہیں کیے گئے) جتنے شبلی کے بارے میں لکھے گئے۔ یہ شبلی کی اپنے عہد میں مقبولیت اور اہمیت کی بھی مثال ہے۔

ڈاکٹر سید عبدالباری (مرحوم)

ایڈیٹر: ماہنامہ ملی اتحاد، دہلی۔

اردو کے عظیم اور تاریخ ساز قلم کار علامہ شبلی کے قائم کردہ ادارہ دارالمصنّفین اعظم گڑھ نے علامہ کے بعد تقریباً سو سال سے مسلسل ان کی روشن علمی روایات کا چراغ روشن رکھا اور علم و ادب کے مختلف شعبوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کے تحقیقی و تخلیقی کارنامے انجام دئے۔ ملک کا شاید کوئی ایسا ادارہ بیسویں صدی میں نہیں رہا ہے جہاں اتنے بڑے پیمانے پر تحقیقی و علمی خدمات انجام دی گئی ہوں اور وہ بھی بغیر کسی سرکاری تعاون اور مالی امداد کے۔ اس ادارہ کے درویش صفت اہل قلم نے اپنا خون جگر نچوڑ کر اسلامی علوم اور اردو ادب کے گلشن کو شاداب بنایا ہے۔ یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور ماہ و سال کے گذرنے کے بعد نسلاً بعد نسلٍ عظیم شخصیتوں کے دنیا سے رخصت ہونے کے باوجود قافلہ علم و تحقیق رواں دواں ہے۔ چنانچہ اس ادارہ سے منسلک ایک جواں سال محقق و قلم کار نے متعدد تحقیقی کتب کی اشاعت کے بعد شعر و شاعری کے کوچہ میں قدم رکھا اور علامہ شبلی پر گذشتہ سو سالوں میں اردو فارسی و عربی میں لکھی گئی منظومات کو مع فنکاروں کے جامع تعارف کے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی یہ نادر ضخیم کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' حال ہی میں بڑے اہتمام سے منظر عام پر آئی ہے۔ مصنف نے مسلسل علمی و تحقیقی خدمات انجام دیتے

ہوئے نہایت قلیل مدت میں ۱۶رعلمی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''عظمت کے نشاں'' پڑھ کر سید حامد صاحب نے بجا طور پر ان کی تحسین کی ہے۔ ''عظمت کے نشاں'' پڑھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ کیسی قدآور شخصیتیں ہمارے درمیان تھیں۔ جامع حیثیات بزرگ اقدار کے پاسبان، اوضاع کے محافظ، شرافت کے ترجمان، بے نفسی پر عامل، خودغرضی سے نفور کیسے صاحبان ظرف تھے یہ اکابرین۔ میں آپ کی اصابت رائے، تہذیب اسلوب، طرز استدلال، سنجیدہ بیانی اور پیرایہ کی شگفتگی سے متاثر ہوا۔

موجودہ کتاب میں گذشتہ سو سال کی مدت میں علامہ شبلی کو خراج عقیدت پیش کرنے والوں کی منظومات کے ساتھ ان کی علمی و ادبی خدمات کا جامع تعارف ہمارے لئے خاصی معلومات کی چیز ہے۔ کتاب کے آغاز میں علامہ شبلی نعمانی کا ایک روشن فوٹو اور حالی، نذیر احمد، مولانا حمیدالدین فراہی، اکبرالہ آبادی، ظفرعلی خاں، علامہ اقبال، اقبال سہیل، سلیمان ندوی وغیرہ کی تصاویر پردۂ ذہن میں ان عظیم معماران علم وادب کی یاد تازہ کر دیتی ہے۔ کیسے کیسے بزرگوں نے شبلی کی کیسی کیسی مداحی کی ہے، دیکھ کر طبیعت شاداب ہوتی ہے۔ اس مجموعہ میں مولانا محمد فاروق چریا کوٹی سے اکبرعلی خاں عرشی تک کل ۵۴ شعرا کی کاوشیں مع مختصر حالات شامل ہیں اور مرتب کے الفاظ میں ان اشعار سے علامہ شبلی کے فضل وکمال کا ایک عمدہ اور منظوم مرقع سامنے آجاتا ہے۔ اس کتاب میں سب سے پہلے ہم مولانا محمد فاروق چریا کوٹی کی شخصیت سے متعارف ہوتے ہیں جن کے زمانہ میں اعظم گڑھ کا یہ قصبہ رشک یونان وشیراز تھا۔ مولانا شبلی ان کے شاگرد رشید تھے اور استاد کے بارے میں کہتے تھے کہ میری تمام تر کائنات انہیں کے افادات ہیں۔ وہ اردو، فارسی کے قادرالکلام شاعر تھے۔ انہیں اپنے شاگرد شبلی پر ناز تھا اور کہتے تھے ''انا اسد وانت شبلی'' شبلی کے حادثہ شکست پا پر انہوں نے ایک مثنوی لکھی جس کے آخری اشعار تھے:

گرچہ پایت زساق گشتہ جدا
لیک عبرت چو کوہ پا بر جا
اے خداوند واہب اعمار
دائمش بر رہ سعادت دار

پھر خواجہ الطاف حسن حالی کا قصیدہ ''من الحبیب الی الحبیب'' ہے جسے دیکھ ان دنوں ہم عصروں کے ایک دوسرے سے مخلصانہ اور قلمی تعلقات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مرتب کتاب نے حالی کے سیرۃ النعمان پر تبصرہ کا ایک ٹکڑا بھی نقل کیا ہے اور شبلی نے جس طرح اپنی فضیلت ولیاقت پر سے پردے اٹھائے ہیں، اس کی تحسین کی ہے۔ ڈاکٹر الیاس اعظمی نے اس موقع پر شبلی سے حالی کے روابط پر جس جامعیت واختصار سے روشنی ڈالی ہے، اس سے ان معاصرین کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ شبلی کی وفات پر اردو کے ممتاز شاعر عزیز لکھنوی کے اشعار کافی دلگداز ہیں:

بر دل و جان من از رفتن او
رنج روحانی و جسمانی رفت

شبلی کو شمس العلماء کا خطاب ملنے پر کئی نظمیں اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ اکبر نے لکھا

چمکی ہوئی ہے بزم سلف اس کی یہاں سے
روشن ہیں یہ معنی کہ وہ شمس العلماء ہے

مولوی داؤد عباسی کا عربی قصیدہ بھی معرکتہ الارا ہے۔ ایک شعر کا ترجمہ ہے:

وہ تاریخ کا اتھاہ سمندر ہے جو لوگوں کو مرجان وموتی دیتا ہے

علامہ حمید الدین فراہی کا شبلی کی شان میں قصیدہ اس کتاب کی جان ہے۔ ایک شعر کا ترجمہ:

جب آپ آفتاب علم ہیں اور علم وفن آپ کا آسماں ہے تو آفتاب ہمارا آفتاب ہے اور آسماں ہمارا آسماں ہے

مولانا ظفر علی خاں کا فارسی قصیدہ اس مجموعہ کے تابناک نگینوں میں ہے۔

معطر باغ دہر است از پئے شبلی نعمانی

چودھری خوشی محمد ناظر نظم جوگی کے خالق جن کا یہ شعر ہر شخص کی زبان پر تھا:

دھن دولت آتی جاتی ہے یہ دنیا رام کہانی ہے
یہ عالم عالم فانی ہے باقی ہے ذات خدا بابا

خوشی محمد ناظر علامہ شبلی کے شاگرد تھے۔ شبلی جب ۱۸۹۲ء میں قسطنطنیہ کے سفر سے واپس

ہوئے تو علی گڑھ میں ان کے استقبال کے لئے برپا مجلس میں نظم پیش کی:

زینت ہر بزم و زیب انجمن آید ہمی
آں ادیب و شاعر و ہسٹورین آید ہمی

شبلی کی وفات پر مولانا احسن مارہروی کا طویل مرثیہ بھی اس کتاب میں شامل ہے اور اقبال کے وہ اشعار جس سے ان کی شبلی سے عقیدت مترشح ہوتی ہے:

شبلی کو رو رہے تھے ابھی اہل گلستاں
حالی بھی ہوگیا سوئے فردوس رہ نورد

اس مجموعہ میں کیسے کیسے جواہر پارے ٹانک دئے گئے ہیں دیکھ کر الیاس الاعظمی کی مشقت کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ کہاں کہاں سے ایک طویل مدت میں لکھے گئے اور نہ جانے کہاں کہاں بکھرے ہوئے ادب پاروں کو انہوں نے جمع کر لیا ہے۔ کیفی اعظمی جو ترقی پسند اور اشترا کی شاعر تھے۔ شبلی کے کیسے معتقد تھے۔ شبلی کی نظم ہنگامہ طرابلس و بلقان پر وہ لکھتے ہیں:

زوال ملت اسلامیہ کے نوح خواں شبلی
مبارک ہو کہ کروٹ لے رہا ہے آسماں شبلی
مٹائے گا ہمارا کون اب نام و نشاں شبلی
دھواں گرما چکا اڑنے کو ہیں چنگاریاں شبلی

الیاس صاحب نے بجا طور پر لکھا ہے کہ شبلی کی نظم دل دردمند کی پکار اور احساس زیاں کا اظہار اور کیفی اعظمی کی نظم میں زندگی، عزم وحوصلہ اور جوش جذبہ کی قوت نمایاں ہے۔ کیفی کی نظم شبلی کی روایت کی توسیع ہے۔ کتاب کے آخر میں اکبر علی خاں عرشی زادہ کے قلم سے شبلی کے مجموعہ غزلیات دستہ گل بوئے گل اور برگ گل کی ۲۶/غزلوں کا اردو ترجمہ درج ہے۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے بجا طور پر اپنے نوٹ میں افسوس ظاہر کیا ہے کہ ''فاضل مترجم نے شبلی کی غزلوں میں جس معشوق کا ذکر کیا ہے اسے قطعی طور پر عطیہ فیضی تصور کر لیا ہے۔ یہ ایک شاعر کے ساتھ اس لئے بے جا ہے کہ اس سے پہلے کسی شاعر کے ساتھ یہ رویہ روا نہیں رکھا گیا ہے۔'' میرے دوست ابن فرید نے شبلی کی تصویر بگاڑنے والوں کو وحید قریشی کی کتاب شبلی کی حیات معاشقہ کا جائزہ لیتے

ہوئے تحقیقی اور معروضی انداز سے جواب دیا تھا کہ یہ ایک صاف دل اور پاکیزہ انسان کی تصویر بگاڑنے کی اندوہناک کوشش ہے۔ اس سلسلہ میں مدیر تحریک دہلی کی نصف صدی قبل شبلی کو دل پھینک انسان ثابت کرنے کی کوشش کا بھی ذکر ہے۔ الیاس صاحب اپنے نوٹ میں غلط فہمی پیدا کرنے والی اس کوشش کا مناسب تجزیہ کرتے ہیں۔ غرض کتاب بے حد قیمتی اور اعلیٰ درجہ کی تحقیق و ترتیب کا نمونہ ہے۔ انشاءاللہ مطالعات شبلی میں ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی۔

[ماہنامہ ملی اتحاد، دہلی، اکتوبر ۲۰۱۲ء]

پروفیسر ریاض الرحمٰن شروانی

ایڈیٹر: ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی علامہ شبلی نعمانیؒ کے ساتھ عقیدت انہیں نئے نئے رنگ و روپ میں پیش کرتی رہتی ہے۔ زیر تبصرہ کتاب ان قصائد، مراثی اور قطعات وغیرہ کا مجموعہ ہے جو مختلف شعراء نے مختلف موقعوں پر ان کے بارے میں لکھے ہیں۔ اگر کسی نظم میں ضمناً بھی ان کا ذکر آ گیا ہے تو اسے بھی شامل کتاب کرلیا گیا ہے۔ مثلاً جب علامہ شبلیؒ کی وفات کے بعد ان کے حبیب لبیب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کسی تقریب میں اعظم گڑھ تشریف لے گئے تو ان کے استقبال میں مولانا اقبال احمد خاں سہیلؒ نے فارسی میں قصیدۂ تبریک پیش کیا۔ وہ بھی کتاب میں موجود ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں خود مصنف کے دیباچے اور اظہار تشکر کے علاوہ ۵۴ شعراء کا کلام درج ہے۔ اشاریہ اور کتابیات ان کے علاوہ ہیں۔ جلد کے دونوں طرف فلیپ پر جناب سید حامد اور جناب محسن عثمانی کی گراں قدر آراء نقل کردی گئی ہیں۔ کتاب اہل قلم کی تصویروں سے خوب مزین ہے جن میں خود علامہ شبلیؒ کی تصویر بہت خوبصورت ہے۔ اگر گستاخی قرار دیئے جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو اس تصویر کی خوبصورتی کے بارے میں ہم مزید کچھ تحریر کرنے کی جرأت کرتے۔

کتاب میں علامہ شبلی کی حیات و ممات کے مختلف ادوار سے متعلق ممتاز (یا کم ممتاز)

شعراء کی اردو، فارسی اور عربی نظمیں جا بہ جا بڑی تعداد میں جمع کردی گئی ہیں جو فاضل مرتب کے علامہ شبلی سے جذبۂ عقیدت کے علاوہ ان کے ذوق تحقیق وتجسس کی بھی غماز ہیں۔ شعراء میں کئی بڑے نام شامل ہیں، جس سے معاصرین کی نظر میں علامہ شبلیؒ کی وقعت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً مولانا حالی، اکبرالہ آبادی، عزیزلکھنوی، ظفرعلی خاں، محمد اقبال، اقبال احمد سہیل، نزہت شروانیہ، یحییٰ اعظمی، احسن مارہروی اور کیفی اعظمی۔ بعض ایسے نام ان کے علاوہ ہیں جو ہیں تو بڑے لیکن بحیثیت شاعر اتنے معروف نہیں۔ مثلاً مولانا محمد فاروق چریا کوٹی، ڈپٹی نذیراحمد دہلوی، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا سید سلیمان ندوی اور سجاد انصاری۔ چند اور قابلِ ذکر شعراء احسن اللہ خاں ثاقب، خوشی محمد خاں ناظر، رضاعلی وحشت، خواجہ دل محمد وغیرہ ہیں۔

شعراء کرام نے علامہ شبلیؒ کو خراج تحسین یا خراجِ عقیدت جن مواقع پر ادا کیا ہے یا اظہار ملال کیا ہے وہ زیادہ تر انہیں (باوجود ان کی حریت پسندی) حکومت برطانیہ سے شمس العلماء کا خطاب ملنے، شرق اوسط کے سفر پر روانگی یا اس سے مراجعت، حادثہ گزند پا اور سانحۂ وفات سے متعلق ہیں۔ بعض اور مواقع پر بھی بعض شعراء نے اپنے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ مولانا خواجہ الطاف حسین حالیؒ، علامہ شبلی نعمانی سے عمر میں بیس برس بڑے تھے اور اتفاق سے سرسید احمد خاںؒ سے بیس سال ہی چھوٹے تھے لیکن سوءِ اتفاق کہ وفات شبلی وحالی دونوں کی ایک ہی سال ۱۹۱۴ء میں ہوئی۔ اس سے شیدائیانِ علم وادب کو بہت صدمہ پہنچا۔ مثلاً علامہ اقبال کے اشعار حالی اور شبلی دونوں سے متعلق ہیں۔ اسی طرح محترمہ نزہت شروانیہ (ز۔خ۔ش) نے جہاں نظم ہائے شبلی لکھی۔ وہاں وائے حالی بھی لکھی۔

یہاں ایک حسنِ اتفاق کا ذکر دلچسپی سے خالی نہیں ہوگا، اگرچہ ہے اصل موضوع سے کسی قدر ہٹ کر۔ علی گڑھ سے تعلق رکھنے والے جن بزرگوں کی ولادت انیسویں صدی عیسوی میں ہوئی ان میں دورانِ مطالعہ سات ایسے نام ملے جن کے سال ولادت میں سات کا عدد مشترک ہے۔ سرسید احمد خاں (ولادت: ۱۸۱۷)، خواجہ الطاف حسین حالی (ولادت: ۱۸۳۷)، علامہ شبلی نعمانی (ولادت: ۱۸۵۷ء) مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی (ولادت: ۱۸۶۷)، ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد (ولادت: ۱۸۷۷)، ڈاکٹر ذاکر حسین خاں و مولوی عبیدالرحمٰن خاں شروانی (ولادت: ۱۸۹۷)

زیرتبصرہ کتاب میں جن شعراء کا کلام درج کیا گیا ہے ان میں سے بیشتر کے خاصے تفصیلی حالات بھی مہیا کر دیئے گئے ہیں۔ البتہ ایک بات ہمیں کھٹکتی ہے۔ انتخاب کلام موضوعات کے اعتبار سے نہیں، شعراء کے اعتبار سے کیا گیا ہے اور اس میں بھی اگر ایک شاعر نے چند موضوعات پر اظہار خیال کیا ہے تو ان کو علاحدہ علاحدہ سرخی کے تحت جمع نہیں کیا گیا ہے جس سے قاری کو اپنا مطلوبہ موضوع تلاش کرنے میں دقت ہوتی ہے۔ پورا متن پڑھ کر ہی یہ پتہ چلتا ہے کہ کس شاعر نے کس کس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔

کتاب اچھی چھپی ہے اور اس کی قیمت بہت مناسب ہے۔

[ماہنامہ کانفرنس گزٹ، علی گڑھ، ستمبر ۲۰۱۲ء ص ۳۶-۳۷]

ڈاکٹر حنا افشاں

شعبہ اردو، حلیم مسلم پی۔جی کالج، کان پور

حال ہی میں ایک کتاب منظر عام پر آئی جس میں شبلی کو ایک نئے رخ سے پیش کیا گیا ہے۔ شبلی ادیبوں کی نظر میں، شبلی نقادوں کی نظر میں، شبلی معاصرین کی نظر میں وغیرہ، مگر مرتب نے اس کتاب کے ذریعے شبلی سے منسلک ایک نئے گوشے کو روشن کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ شعری زبان جو دھڑکنوں کو سمجھنے اور سمجھانے کا کام بہتر طور پر کر سکتی ہے۔ شبلی پر سیکڑوں نظمیں لکھی گئیں مگر انہیں مجموعی طور پر شائع نہیں کیا گیا۔ 'شبلی سخنوروں کی نظر میں' کے ذریعے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بلاشبہ شبلی شناسی میں اضافے کی صورت پیدا کی ہے۔

زیرتبصرہ کتاب میں ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے تقریباً ۵۴/ ایسے اشخاص کی نظموں کو شامل کیا ہے جنھوں نے شبلی کو بہت قریب سے دیکھا اور سمجھا ہے۔ آپ نے نہ صرف ان نظموں کو یکجا کیا بلکہ ان تمام اشخاص کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے اور علامہ شبلی سے ان کے ربط و تعلق کی نوعیت وعقیدت کی بھی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کا ایک ایک لفظ شبلی کے علم وفن اور شخصیت کو سمجھنے میں مدد کرتا ہے۔

شبلی کے لیے خلوص ومحبت سے لبریز دلوں نے ان سے منسلک ہر خوشی وغم کے موقعے پر شعر کہے ہیں۔ دھیرے دھیرے اتنا مواد تیار ہو گیا کہ ایک کتاب مرتب ہو سکتی تھی مگر اس طرف کسی کی توجہ نہ ہوئی اس کتاب کی ترتیب کے بعد یہ کمی پوری ہوئی۔ اس میں کچھ نظمیں بہت معیاری ہیں مگر بعض کمزور ہیں، جس کا اعتراف خود الیاس الاعظمی نے کتاب کے دیباچے میں کیا ہے۔

یا پھر ۷ارمئی ۱۹۰۷ کو شبلی کے حادثہ گزند پا کے دلدوز واقعہ پر سیکڑوں نظمیں لکھی گئیں۔ بہت سے چاہنے والوں نے اپنے انداز سے اس واقعہ پر شبلی کے لیے صحت کی دعائیں کی اور اس حادثہ کا اثر خود شبلی پر بہت زیادہ ہوا۔ آپ نے کئی رعبایاں کہیں جن میں کسی قدر مایوسی اور تاسف کا پہلو فطری طور پر نظر آتا ہے۔ مرتب نے مولانا حبیب الرحمٰن شیروانی کے نام پر لکھا گیا شبلی کا خط صفحہ نمبر ۱۴ پر پیش کیا ہے جس سے پاؤں زخمی ہونے کی جو تفصیل ملتی ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ اصل واقعہ تو کچھ اور ہی ہے مگر یہاں اس کا ذکر مناسب نہیں۔

الیاس الاعظمی نے شبلی کے استاذ کے حوالے سے بھی بہت سارے پہلو روشن کیے ہیں۔ ایک عالم کی زندگی میں اس کے استاذ کا بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ شبلی کے استاذ محمد فاروق چڑیا کوٹی جو اپنے تمام شاگردوں میں آپ کو بہت عزیز رکھتے تھے۔ کہتے ہیں:

''طالب علمی کے زمانہ میں ایک روز ننگے سر بیٹھے تھے کہ مولانا فاروق پیچھے سے سر پر ایک چپت لگا کر کہتے ہیں ع ''ہے چپت گاہ خلائق یہ سر''

علامہ شبلی نے فوراً جواب دیا: ''جتنے ہیں سران پہ فائق یہ سر''

موسیقی اور خاص طور پر بھور میں بھیروی سنا کر بچپن میں ہی شعری ذوق اور تحت الشعور میں نغمگی پیدا کرنا اصلاً مولانا فاروق کا ہی کارنامہ ہے۔ (ص نمبر: ۲۵)

یہ ذوق و شعور وقت کے ساتھ اس بام عروج پر پہنچا کہ نذیر احمد جو شبلی سے عمر میں تقریباً ۲۱ر برس بڑے ہیں اپنے ایک لکچر سے پہلے ایک شعر کے حوالے سے مجمع عام میں شبلی کے شعری صلاحیت کا اس طرح اعتراف کیا:

تم اپنی نثر کو لو نظم کو چھوڑو نذیر احمد
کہ اس کے واسطے موزوں ہیں حالی اور نعمانی

اپنی ایک اور تقریر میں نذیر احمد کا یہ بیان کہ میں نے کسی زمانہ میں عربی اچھی پڑھی تھی۔ اب تو ایسا ذہول ہوگیا کہ مولوی شبلی ایک صیغہ بھی پوچھ لیں تو بغلیں جھانکنی پڑیں۔(حیات شبلی ۴۱۵) خود سے ۲۱ /برس چھوٹے شخص کی شاعری اور عربی دانی کی مجمع عام میں داد و تحسین ایک اہم بات ہے۔ یہ بزرگوں کی باتیں ہیں جو انہیں پر ختم ہوگئیں۔

مرتب نے کتاب کے آخر میں شبلی کی وہ غزلیں جو وہ عطیہ فیضی کو خط کی صورت میں بھیجتے رہے ان کا ترجمہ 'عطیہ شبلی' کے نام سے اکبر علی خاں عرشی زادہ نے کیا ہے۔ شبلی کی سخنوری کو سمجھنے میں مددگار ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی اس سے پہلے بھی کئی کتابیں شبلی کے حوالے سے قارئین ادب کو مستفید کرچکی ہیں جیسے متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، موازنہ انیس و دبیر جیسی نایاب تصنیف کی کڑی کو جوڑتی ہوئی یہ کتاب 'شبلی سخنوروں کی نظر میں' قارئین ادب کو شبلی سے اور قریب کرے گی۔

[ماہنامہ اردو دنیا، دہلی، جنوری ۲۰۱۳ء ص ۷۵-۷۶]

حافظ عمیر الصدیق ندوی

رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

علامہ شبلی نعمانی کی تمام زندگی اور حیات و خدمات کے سارے پہلو اس لائق ہیں کہ ان سے واقف ہوا جائے۔ اس کتاب کے لائق مصنف نے اس ضرورت کی اہمیت کے پیش نظر علامہ شبلی کو اپنا مرکز مطالعہ بنایا اور کثرت سے مختلف عنوانوں کے تحت مضامین لکھے جو کتابی شکل میں بھی شائع ہوئے۔ زیر نظر کتاب اسی مطالعات شبلی کے سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں علامہ شبلی کے احباب کے علاوہ ان کے ہم عصر اور بعد کے زمانوں کے شعراء کی وہ شعری کاوشیں جمع کردی گئی ہیں جن کا تعلق کسی نہ کسی شکل میں علامہ شبلی کی ذات والاصفات سے ہے۔ ان میں اکثر نایاب کے درجہ میں تھیں۔ ان کو محنت اور جستجو سے حاصل کرنا بجائے خود لائق داد خدمت ہے۔ مزید یہ کہ مصنف کے محققانہ مزاج نے ان تمام شعراء کے حالات بھی جمع کرادیے، بعض تو مشہور ہیں لیکن

کچھ ایسے گم نام ہیں جن کو اس کتاب کے حوالے ہی سے نئی زندگی ملی ہے۔ یقیناً یہ ایک کارنامہ ہے، یہ کثیر التصانیف مصنف کی سب سے اہم کتاب اور اب تک ان کی علمی پیش رفت کی سب سے کامیاب منزل کہی جاسکتی ہے۔

[ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، دسمبر ۲۰۱۲ء ص ۴۷۹]

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

بخش فارسی، آل انڈیا ریڈیو، دہلی

''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' ہے جو کتاب
شبلی کے فکروفن کا ہے منظوم احتساب

حاصل ہے اس کتاب کے عنواں کو امتیاز
الیاس اعظمی نے کیا ہے جو انتخاب

شبلی اکیڈمی کے ہیں اعزازی وہ رفیق
''متعلقات شبلی'' کا جن کی نہیں جواب

شبلی جہانِ علم وادب میں وہ نام ہے
جو اپنے فکر و فن سے ہے عالم میں انتخاب

میری بھی چند نظمیں شریک کتاب ہیں
منظوم مدحِ شبلی ہے تالیف لاجواب

مداح شاعروں کے ہیں حالات زندگی
ہیں کچھ کی یادگار تصاویر تابناک

شبلی کی چند فارسی غزلوں کے ترجمے
ہیں اس میں، جس سے اہل نظر ہوں گے فیضیاب

شبلی پہ اس میں جن کے ہیں منظوم تبصرے
کچھ اس میں آفتاب ہیں کچھ مثلِ ماہتاب

چون (۵۴) سخنوروں کے مرصع کلام میں
شبلی کے کارناموں کی برقی ہے آب وتاب

افضال عثمانی صاحب

کیلیفورنیا،امریکہ

Allama Shibli Nomani is among the tallest figure of the last century. He was a man with mission and in a small life span, his works are unmatched by his contemporaries, predecessors and followers. Started his professional career as a faculty member at newly established M.A.O. College in Aligarh and died as an Architect of a think tank, Darul Musannefin in Azamgarh. M.A.O. College later became Aligarh Muslim University and Darul Musannefin became Darul Musannefin Shibli Academy. The foundation of Islamic seminary, Darul Uloom of Nadwatul Ulema is also a brainchild of Allama Shibli Nomani and he served as its Founding Secretary. Books like Al-Farooq, Al-Mamoon,

Al-Ghazali, Seeratun Nabi and many others of very high standard were penned by him. He was born in 1857 and died in 1914. Volumes of books are written by his contemporaries and followers to highlight his work, style and thoughts. Numerous poems were also written in his praise. But the poems written to highlight his work and style were at different places and no biblography were available. Shibli Sukhanwaron Ki Nazar mein is a unique book written by Dr. Muhammad Ilyas al Azami, Honorary Rafiq (Scholar) of Darul Musannefin Shibli Academy. Dr. Azmi compiled all the poems written by Allama Shibli's contemporaries and followers and brought them at one place. The poems were written by poets like Allama Iqbal, Maulana Altaf Hussain Haali, Deputy Nazir Ahmad, Khushi Mohammad Nazir, Maulana Hamiduddin Farahi, Maulana Iqbal Suhail, Kaifi Azmi and Ahmad Ali Barqi Azmi and many others. He also included the articles written to explain or criticise the poetry of this great Islamic scholar and reformer. Eminent Aligarian and former Vice-Chancellor of Aligarh Muslim University and present Chancellor of Jamia Hamdard, Mr. Syed Hamid (I.A.S.) wrote preface of the book.

The book can be found at Darul Musannefin Shibli Academy, Azamgarh and Educational Book House, Shamshad Market (AMU Market) Aligarh.

History of Indian Muslims can never be completed without Allama Shibli Nomani and the study on Allama Shibli Nomani will never be completed without acknowleding the efforts of Dr. Mohammad Ilyas Azmi.

His recent works, "Kitabiyaat-e-Shibli, Mutaaliqat-e-Shibli and Shibli-Sukhanwaron ki Nazar me" shows his passion and commitment for "Shibliyaat" . He also wrote a book entitle " Darul Musannefin ki Tareekhi Khidmat" which was published by Khuda Bakhsh Library Patna.

Dr. Azmi has several other books to his account but I am

only mentioning related to Allama Shibli Nomani and his dream project Darul Musannefin Shibli Academy.

I hope and pray for him to have the same passion and zeal to work on the subject.

مولانا عزیزالحسن صدیقی

ایڈیٹر تذکیر، غازی پور

بلاشبہ علامہ شبلی اردو و فارسی کے بلند پایہ اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ان کی فارسی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ غالب پر نہیں بلکہ شبلی ہوا۔''

علامہ شبلی کی زندگی میں اوران کی وفات کے بعد شعراء وادباء اوران کے احباب و تلامذہ نے کثرت سے مراثی، قطعات، رباعیات اور نظمیں لکھیں اور خراج عقیدت پیش کیا۔ ۱۹۰۷ء میں جب ایک حادثے میں ان کے پاؤں میں گولی لگی اور بایاں پاؤں کاٹنا پڑا تو اس موقع پر ملک کے بہت سے شعرانے غم انگیز مثنویات، رباعیات اور قطعات کہے، حتیٰ کہ ان کے استاذ مشفق ومہربان علامہ فاروق چریا کوٹی نے بھی ایک مثنوی کہی۔ اس مثنوی میں مریض کے حق میں مخلصانہ دعا بھی کی ہے اور شاگرد کی صلاحیتوں کا اعتراف بھی۔ اس کے بعد بھی شعرانے اپنے کلام میں علامہ شبلی کو خراج عقیدت پیش کیا۔

علامہ شبلی پر کہی جانے والی نظموں کا کوئی مجموعہ اب تک شائع نہیں ہوا تھا۔ ہمارے ممدوح ومکرم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے علامہ شبلی کی شخصیت پر کہی جانے والی نظموں کو ہی یکجا نہیں کیا بلکہ ''شعرائے شبلی'' کے مختصر حالات اور علامہ شبلی سے ان کے ربط وتعلقات کی نوعیت کو بھی واضح کر دیا اور سارا مواد اپنی کتاب ''شبلی سخنوروں کی نظر میں'' شائع کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی یہ کوشش لائق تحسین ہے کہ انہوں نے علامہ شبلی سے متعلق کسی شاعر کی کوئی تخلیق چھوٹنے نہ دی۔ زیر نظر کتاب میں ۵۴ رشعرا کی شعری کاوشیں اوران کے

حالات شامل ہیں۔اس طرح علامہ کے فضل وکمال کا ایک بہترین مرقع اہل نظر کے سامنے آ گیا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی شخصیت اس لحاظ سے منفرد ہے کہ انہوں نے شبلی شناسی کے سلسلے میں کتابوں کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ابھی ان کے کشکول میں بہت کچھ ہوگا جو موقع موقع سے سامنے آتا رہے گا۔ہم تو انہیں شبلیات پر اتھارٹی ہی مانتے ہیں۔زیرنظر کتاب کی ترتیب وتالیف میں انہوں نے جو عرق ریزی کی ہے اور مشقت اٹھائی ہے اس کی داد نہ دینا ناانصافی اور ناقدرشناسی ہوگی۔سیکڑوں کتابوں اور رسائل کا نچوڑ ہے یہ ان کی کتاب۔ہم بصد خلوص ومحبت ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں اس علمی خدمت کی انجام دہی پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

کتاب ۳۱۲ صفحات پر مشتمل اور اصیلہ پریس دہلی میں چھپی ہے۔کاغذ اور طباعت عمدہ اور قیمت تین سو روپئے ہے۔دارالمصنّفین اعظم گڑھ،ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ اور سالم بک ڈپو تکیہ اعظم گڑھ سے حاصل کی جا سکتی ہے۔

[تذکیر نمبر ۸۳،۱۵ر ستمبر ۲۰۱۳ء]

---

[۴]

مکتوبات شبلی

مولانا عبدالحمید نعمانی

الجمعیۃ، جمعیۃ علمائے ہند، دہلی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تصنیفی، تالیفی اور تدوینی و تحقیقی فتوحات کا جو سلسلہ جاری ہوا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اس کی ایک کڑی ہے۔ وہ اسہل التجوید سے مکتوبات شبلی تک درمیانی مراحل کو بہتر طور سے طے کرتے ہوئے پہنچ چکے ہیں۔ گزشتہ دنوں اس صفحے پر ان کی کتاب مفید ''کتابیات شبلی'' پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کئی لحاظ سے مطالعۂ شبلی کے در وا کرتے ہوئے اندرون میں جھانکنے کی دعوت دیتی ہے اور ایک خاص سطح پر مخصوص جگہ کھڑے ہو کر مختلف جہتوں سے روبرو کراتی ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی کی دو جلدوں میں مرتب کردہ ''مکاتیب شبلی'' اور دیگر مجموعہ ہائے مکاتیب، شبلی شناسی میں یقیناً بڑے معاون ہیں۔ لیکن اس مجموعۂ مکتوبات نے شبلی شناسی کی راہ مزید ہموار کر دی ہے۔ مختلف شخصیات جو متنوع افکار و اذواق کی حامل تھیں، کے نام مکاتیب، حیاتِ شبلی کے ایسے گوشے بھی سامنے لاتے ہیں جو ابھی تک پوری طرح اجالے میں نہیں تھے، ان مکاتیب نے ایک بار پھر ان لوگوں کو غلط ثابت کیا ہے جو شبلی کو محض ایک روایتی مولوی باور کراتے ہوئے اپنی معاندانہ تنقید و نکتہ چینی کا نشانہ بناتے ہوئے ایک مخصوص قسم کی لذت و حظ اٹھاتے رہے ہیں۔ علامہ شبلی کی بہت سی باتوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے اور اختلاف بھی کیا گیا ہے۔ لیکن ان کی شخصیت اور فکر و کردار کو ایک مخصوص رنگ یا کم کر کے پیش کرنا انصاف و دیانت کے منافی ہے۔

تحریکِ ندوہ میں بھی ان کو مطلوبہ جگہ ملنی ہی چاہیے اور تاریخ کو اپنی اصلی شکل میں پیش کیا جانا چاہیے۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ تاریخ صرف شیریں آبِ حیات ہی نہیں، زہر کا پیالہ بھی ہے۔ لیکن جس کا جو درجہ و مقام ہے وہ انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کے واسطے ملنا چاہیے۔ خطوط کی ایسی خاصی تعداد ہے جس میں دارالعلوم ندوہ کو ایک بلند مقام پر لے جانے کی شبلی میں ایک اتھاہ بے چینی اور تڑپ نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی نے مکتوبات کو کسی مخصوص اصلاح اور کاٹ چھانٹ کے بغیر اصل شکل میں پیش کر کے علم و آگہی کے طالب علموں کو اصل جگہ تک رسائی کے لیے یہ راستہ فراہم کیا ہے کہ شبلی کے ذہن میں کیا کچھ تھا اور وہ کس طرح سوچتے تھے۔ شبلی ان مردانِ کار میں سے تھے جو وقت سے پہلے آنے والے وقت کی خبر و شناخت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر اعظمی نے خطوط کے تشریح طلب امور کی وضاحت اور مکتوبات الیہم کا تعارف کرا کے کتاب کو مفید تر بنا دیا ہے۔ اشاریہ دے کر استفادے کی راہ بھی آسان کرنے کے ساتھ کتاب کی معنویت میں اضافہ کر دیا ہے۔ انہوں نے جس سلیقے سے مکاتیبِ شبلی کو شائقین کے سامنے پیش کیا ہے، وہ ان کی قابلِ قدر محنت و کاوش پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے لیے ڈاکٹر اعظمی قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے شبلی شناسی کے دائرے کو مزید وسیع کیا ہے۔ شبلی کا مطالعہ محض ایک شخصیت کا مطالعہ نہیں ہے، بلکہ ایک عہد اور اس میں جاری افکار و تحریکات کا مطالعہ ہے، اس سے یہ بھی جانا جا سکے گا کہ ملک و ملت کی حالت کیا تھی، دل کے ساتھ دلی کی کیفیت کیا تھی۔ مکاتیب کی شکل میں شبلی نے صرف خود کو ہی آئینے کے سامنے کھڑا نہیں کیا بلکہ دوسروں کو بھی آئینہ دکھانے کا کام کیا ہے۔ اپنے وقت کی کون سی ایسی چیز ہے جس سے شبلی نے سروکار نہیں رکھا تھا، معاشقے کی داستان میں شبلی کو تلاش کرنا بہتر رویے کی نمائندگی نہیں ہے بلکہ یہ بھی جاننا مفید ہے کہ انہوں نے چاند کا نظر نہ آنے والا حصہ بھی دکھانے کی کوشش کی ہے، اس کے سامنے والے حصے کو دکھانا کوئی بڑا کمال نہیں ہے۔ بہت سے لوگ پہلے بھی اور آج بھی اشیا کی دوسری طرف دکھانے کی کوششوں کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ شبلی وہ بھی تھے جو نظر نہیں آتا تھا، وہ صرف اتنا ہی نہیں تھے جتنا کہ روایتی قسم کے تعلیمی اداروں میں نظر آتا ہے، اس کی طرف ان کے مکاتیب واضح طور سے اشارے کرتے ہیں۔ اگر چاند اور زمین کا مخالف حصہ بھی نظر میں ہو تو

عطیہ فیضی جیسے کردار سے مخصوص رشتہ دکھانے کا عمل کوئی زیادہ بامعنی نہیں رہ جاتا ہے۔

شبلی کی شاعرانہ حیثیت اور ''شعر العجم'' کے مصنف کے طور پر دیکھنے کے ساتھ ان کو ''سیرت النبی''، ''الفاروق''، ''سیرت النعمان'' اور ''سوانح مولانا روم'' کے مصنف کے طور پر بھی دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اپنے خطوط میں شبلی کئی رنگوں میں نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر الیاس نے مکتوبات شبلی کو سامنے لاکر ان کو مزید دل فریب بنادیا ہے۔ مرتب کتاب نے اسے بہتر سے بہتر بنانے کی اپنی پوری کوشش کی ہے۔ جواہر کے ساتھ لعل کا ہی جوڑ بیٹھتا ہے، اس لیے جواہر لعل کو جواہر لال کیسے لکھا جاسکتا ہے۔ خود پنڈت جی نے لعل ہی لکھا ہے۔ ڈاکٹر اعظمی نے نور الدین قادیانی کے بارے میں لکھا ہے کہ تفصیل دستیاب نہیں، ان کے حالات زندگی پر مرقاۃ الیقین اور حیات نور مستقل کتابوں کے علاوہ قادیانی لٹریچر اور اس کے رد میں لکھی جانے والی تحریروں میں خاصی تفصیلات ملتی ہیں۔ حکیم نور الدین مرزا غلام احمد قادیانی کے خلیفۂ اول کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ کہیں کہیں کمپوزنگ کی غلطیاں بھی در آئی ہیں۔ مثلاً لم لوف یا لم یصنف ......' کو 'لم یصلف' لکھا گیا ہے (ص ۲۳۰) حدیث کی مشہور کتاب تلخیص الحبیر (از: حافظ ابن حجر عسقلانی) کو تلخیص -الجبر الکھا ہے (۲۲۷)، مطعون کو مطئون (۱۲۵)، نظارۃ المعارف کو نظائرۃ المعارف (۲۰۱)، مولانا آزاد کی وفات کا سنہ ۱۹۵۸ء کے بجائے ۱۹۵۶ء، (۹۳) اوتاد کو اوتار، تاریخ راجستھان کو تقسیم راجستھان (۷۸) کمپوز کردیا گیا ہے۔ ۲۶۰ صفحات کی کتاب میں اس طرح کی کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیاں کوئی معنی نہیں رکھتی ہیں۔ ان کو آئندہ ایڈیشن میں بآسانی دور کیا جاسکتا ہے۔ جہاں تک 'مکتوبات شبلی' کی بات ہے تو وہ بذات خود ایک مفید اور لائق مطالعہ کتاب ہے۔

[ہماری زبان دہلی، ۲۲-۲۸/ مارچ ۲۰۱۳ء ص ٦]

ڈاکٹر محمد ہاشم قدوائی

سابق پروفیسر شعبہ سیاسیات، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

نابغہ عصر، متکلم اسلام، اسلام کے نشاۃ الثانیہ کے علمبردار، مورخ بے بدل، ماہر اسلامیات

اردو ادب کے ممتاز ترین معمار، جدید طرز کے سوانح نگار، سیاسی بصیرت اور فراست کے مالک علامہ شبلی ہمہ جہتی اور عبقری شخصیت کے مالک تھے۔ ایک طرف وہ خاتم النبیین محبوب رب العالمین کے معتبر ترین سیرت نگار تھے تو دوسری طرف وہ لاثانی طرز انشا اور اسلوب بیان کے مالک تھے۔ وہ تحریک ندوۃ العلما کے اہم ترین بانیوں میں تھے اور آخر دم تک دارالعلوم کی خدمت کرتے رہے اور اسی کے ساتھ وہ مفکر جلیل بھی تھے۔ ان کا تاریخ ساز کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی فکر انگیز نظموں اور مضامین کے ذریعے ہندوستانی مسلمانوں کی سیاست کا رخ موڑ دیا اور برطانیہ حکومت کی دریوزہ گری اور غیر متزلزل اور غیر مشروط وفاداری کی پالیسی کو جو علی گڑھ تحریک کے بانی کی سیاست کا امتیازی پہلو تھا، کو یکلخت مسترد کیا۔ وہ اعلیٰ پائے کے مصنف بھی تھے۔ افسوس ہے کہ ان کے متنوع اور تاریخ ساز کارناموں اور علمی کاوشوں پر اتنا نہیں لکھا گیا جتنا کہ لکھا جانا چاہئے تھا۔ بقول پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی کے فاضل مرتب نے شبلی شناسی کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا ہے اور وہ شبلی شناسی کی راہ میں سفر مدام میں مبتلا ہیں۔ متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی: سخنوروں کی نظر میں کے بعد مکتوبات شبلی ان کے قلم سے نکلی ہے۔ زیر نظر کتاب علامہ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی میں شامل نہیں۔ ان کی تعداد ۲۱۰ ہے اور مختلف الجہات مکتوب الیہم کی تعداد ۱۴۱ ہے۔ ان میں ایک طرف علی گڑھ تحریک کے بانی، ان کے جانشین نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک ہیں اور نامور علماء میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا عبدالحی حسنی، مولانا حمیدالدین فراہی، مولانا مسیح الزماں، مفتی شیر علی تو دوسری طرف میر محبوب علی خاں نظام حیدرآباد، نواب مزمل اللہ خاں شروانی اور مشہور و معروف قومی رہنما حکیم اجمل خاں، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر سید محمود ہیں اور اردو کے جلیل القدر ادیب خواجہ حسن نظامی، صدر یار جنگ مولوی حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا عبدالماجد دریابادی، احمد علی شوق رام پوری، احسن اللہ خاں ثاقب اور ضیاء الدین برنی بھی ہیں۔

اس کتاب میں مفصل اشاریہ بھی ہے جس میں اشخاص و مقامات کا ذکر ہے اور مفصل کتابیات بھی۔ اس مجموعہ سے علامہ شبلی کی شخصیت و سیرت، ان کے متنوع اور تاریخ ساز کارناموں کا جامع مرقع سامنے آ گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کی نشاۃ الثانیہ کے اس علمبردار کو

اخوت اسلامی کا کتنا زیادہ خیال تھا اور ندوہ کی تعمیر و ترقی کے لیے انہیں کن کن مشکلات اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑااوراس کا بھی کہ انہوں نے مغربی تہذیب وتمدن سے حد درجہ مرعوب، تجدد زدہ مسلم مصلحین جن میں علی گڑھ تحریک کے بانی سب سے پیش پیش تھے، کا کتنی کامیابی سے مقابلہ کیا۔ان کا بڑا زبردست علمی کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے اسلام کے بارے میں مستشرقین کی معاندانہ اور دجل وتلبیس سے بھری ہوئی تحریروں اور تصانیف کو بے نقاب کیا۔مرتب کے حواشی سےاس کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کے مکتوب الیہم سے کس قسم کے تعلقات اورروابط تھے۔

مولوی مسعودعلی ندوی جو برسہابرس دارالمصنّفین کے منیجر رہے، اپنی زبردست اورعدیم المثال انتظامی صلاحیتوں کے باعث فردفرید تھےلیکن وہ مترجم کبھی نہیں رہے۔

مولوی عبدالقادرڈپٹی کلکٹر، مولانا عبدالماجد دریابادی کےوالد تھےاورانہوں نے اپنے بڑےلڑکے عبدالمجید صاحب جوخودبھی ڈپٹی کلکٹر ہوئے کی شادی کے موقع پرایک رقم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مدد کے لئے علامہ کی خدمت میں بھیجی تھی۔ایک دوسرے مکتوب الیہ ڈاکٹر محمد سلیم، مولانا عبدالماجد دریابادی کے نہ صرف چچا زاد بھائی تھے بلکہ سگے بہنوئی بھی تھے۔ڈاکٹر ناظر الدین حسن بیرسٹر جن کا ذکر متعدد جگہ آیا ہے، جو بعد میں حیدرآباد ہائی کورٹ کے جج ہوئے اور نواب ناظر یار جنگ سے موسوم ہوئے، قدوائی نہ تھے۔وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے ہم زلف تھے۔مولانا ابوالکلام آزاد مارچ ۱۹۴۰ء سے لے کراپریل ۱۹۴۶ءتک کانگریس کےصدررہے۔ اتنی مدت تک کسی بھی دوسرے کانگریسی لیڈر کو یہ شرف حاصل نہ ہوا۔انہوں نے ۱۹۲۳ء میں کانگریس کے ایک اسپیشل اجلاس کی صدارت کی تھی۔ڈاکٹر سید محمود دارالمصنّفین کی انتظامیہ کے صدر رہےاور مولانا عبدالماجد دریابادی، علامہ سید سلیمان ندوی کے پاکستان منتقل ہوجانے کے بعد دارالمصنّفین کی مجلس عاملہ کے صدرآخردم تک رہے۔نواب محسن الملک سید احمد خاں صاحب کے انتقال کے بعد ایم اے او کالج کے سکریٹری بھی رہے۔اس کا ذکر کرنا بھی ضروری تھا۔سر فضل حسین برطانوی حکومت کے خاص الخاص وفاداروں اور حامیوں میں تھے۔

یہ محل نظر ہے کہ علی گڑھ تحریک کے بانی کے فیض صحبت سے علامہ شبلی کی فکرونظر میں انقلاب برپا ہوا۔علامہ کو نہ تو سید صاحب کے گمراہ کن مذہبی عقائد سے اتفاق تھااور نہ سیاسی نظریات

سے۔ وہ مغربی تہذیب وتمدن کے تفوق و برتری کے بالکل قائل نہ تھے جبکہ سید صاحب مغربی تہذیب کے تفوق کے قائل تھے۔خطبات احمد یہ معذرت خواہانہ انداز کی کتاب ہے۔

[ماہنامہ اردو بک ریویو دہلی،]

شمس الرحمٰن فاروقی

الہ آباد،۱۶اپریل۲۰۱۳

برادرم الیاس الاعظمی،سلام علیکم۔

کچھ دن پہلے آپ کی کتاب ''مکتوبات شبلی'' ملی تھی، بہت خوشی ہوئی۔شکریہ۔آپ اس زمانے کے چند لوگوں میں سے ہیں جو دل لگا کر کام کرتے ہیں۔علامہ مرحوم کے ان خطوط کی تدوین بھی آپ کے اچھے کاموں میں گنی جائے گی۔ یہ ضرور ہے کہ اس کام میں بہتری کی مزید گنجائش ہے۔ایک تو یہ کہ عربی عبارتیں جو جگہ جگہ خطوط میں آئی ہیں ان کا ترجمہ دینا چاہئے تھا۔دوسری بات یہ کہ آپ نے جگہ جگہ مفصل حاشیے لکھے ہیں خاص کر رجال پر آپ نے بہت محنت کی ہے۔لیکن کئی مقام ایسے آئے ہیں جہاں علامہ کے خط کے بین السطور پر بھی آپ کو کلام کرنا چاہئے تھا۔مثلاً یہ کہ حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے نام پہلے ہی خط میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ علامہ اور مولانا مونگیری کے درمیان کچھ چھوٹی موٹی غلط فہمیاں یا آپسی شکایتیں بھی تھیں۔ چنانچہ مولانا مونگیری کے پہلے خط کا کچھ پس منظر آپ کو پہلے بیان کرنا چاہئے تھا۔پھر یہ کہ ایک طرف تو آپ نے امام بخاری پر تقریباً پورا صفحہ لکھا اور دوسری طرف امام مسلم کے بارے میں جن کی صحیح کا حوالہ علامہ کے خط میں ہے ان پر آپ نے کوئی تفصیل نہیں لکھی۔مولوی بشیر الدین کے نام خط میں صفحہ ۴۶ پر جو جملہ ہے''ندوہ کی ہمدردی پر بعض حامیان کالج مجھ کو رقیبانہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔'' اسی صفحے پر علامہ نے صاف صاف شکایتیں مولوی بشیر الدین کے طرز عمل کے خلاف کی ہیں لیکن آپ نے ان عبارتوں پر کوئی بھی توجہ نہیں کی۔صفحہ ۸۷ پر علامہ نے لکھا ہے کہ'' آج کل پروفیسری کے لئے معقول تنخواہ پر بلایا ہے۔'' یہ اشارہ غالباً علی گڑھ کی طرف ہے۔آپ نے اس پر کوئی تفصیل

نہیں لکھی۔ اسی صفحے پر آپ نے ''اہل خانہ'' پر حاشیہ نمبر۱۳ لگایا ہے اسے ۱۴ ہونا چاہئے تھے۔ اسی صفحے پر علامہ کے پاؤں کے حادثے کا ذکر ہے۔ مگر آپ نے اس پر کوئی نوٹ نہیں لگایا۔ صفحہ ۱۰۱ پر علامہ نے ''انجمن'' کو مذکر لکھا ہے، یہ صراحت ضروری تھی کہ اصل میں یوں ہی ہے۔ یعنی علامہ ''انجمن'' کو مذکر لکھتے تھے۔ اسماء رجال پر اتنی محنت کرنے کے باوجود آپ نے مولوی حمید الدین (صفحہ ۱۰۹) پر کوئی نوٹ نہیں دیا۔ اسی طرح عبدالحی کو ۱۰۸ صفحہ پر مع ہمزہ لکھا ہے۔ امید ہے یہ کتابت کی غلطی ہوگی۔ کیونکہ آپ کے حاشیے میں بھی (صفحہ ۱۱۰) اور صفحہ ۱۵۲ پر یوں ہی ہے۔ گمان گذر سکتا ہے کہ علامہ سے سہو قلم ہو گیا ہو گا۔ کتابت کی ایسی غلطی افسوس ناک ہے۔ اس صفحے پر مولانا عبدالحی کے نام جو خط ہے اس کو بھی حاشیے کی ضرورت تھی۔

صفحہ ۱۴۱ پر نواب سید علی حسن خاں کے خط میں علامہ لکھتے ہیں ''آپ حضرت عمرؓ کی طرح دریا سے ڈرتے ہیں۔'' اس پر آپ نے کوئی حاشیہ نہیں دیا۔ مجھے بالکل نہیں معلوم کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں اس اطلاع کا ماخذ کیا ہے۔

مولانا عبدالباری کے نام جو خط صفحہ ۱۶۲ پر ہے، اس پر آپ کی طرف سے حاشیہ بہت ضروری تھا۔ اس خط کی تاریخی اور سوانحی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ (برسبیل تذکرہ، اس صفحے پر بھی عبدالحی جہاں جہاں لکھا ہے مع ہمزہ لکھا ہے۔ صفحہ ۱۷۱ پر نظام المشایخ مع تحتانی لکھا ہے یہ آپ کا املا ہے یا علامہ کا؟ اسی خط میں یہ جملہ بالکل سمجھ میں نہیں آیا ''کیا آپ کچھ فیض انگیز یاد دلائیں گے۔''

صفحہ ۱۹۱ پر عربی عبارت حسب معمول بے ترجمہ ہے اور نسخ کے بجائے نستعلیق میں لکھی ہوئی ہے۔ صفحہ ۱۹۴ پر عربی کا شعر ہے، بے ترجمہ۔ صفحہ ۱۹۸ پر ''گئے'' کو ''گیے'' لکھا ہے۔ یہ کس کا املا ہے؟ علامہ کا؟ صفحہ ۲۰۵ پر عبدالوہاب بہاری پر جو حاشیہ ہے اس میں صرف وہی بات کہہ دی گئی ہے جو علامہ نے اپنے خط میں کہی ہے۔ ان سب باتوں کے باوجود کتاب بہت کارآمد ہے۔ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں۔ دو چار دن ہوئے آپ کی ایک کتاب اور ملی ہے شکریہ۔ اس کی رسید الگ سے لکھوں گا، انشاءاللہ۔

آپ کا

شمس الرحمٰن فاروقی

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

معاون مدیر: تحقیقات اسلامی، علی گڑھ

مکتوب نگاری ادب کی ایک مخصوص صنف ہے، جہاں بہت سے ادباء کے خطوط کو شہرت حاصل ہوئی ہے اور ان کے مجموعے شائع کیے گئے ہیں، وہیں بہت سے علماء اور ملی شخصیات کے مکاتیب کے جمع و تدوین کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء) کا شمار ماضی قریب کی ان نمایاں اور عظیم شخصیات میں ہوتا ہے، جنہوں نے دینی، علمی اور ادبی حلقوں پر گہرے اثرات ڈالے ہیں۔ ان کے مکاتیب کی ترتیب و تدوین کا کام ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء) نے ان کی حیات ہی میں شروع کر دیا تھا، لیکن ان کی اشاعت علامہ کی وفات کے بعد ۱۹۱۶ء/۱۹۱۷ء میں دو جلدوں میں ہوئی۔ ان میں شامل مکاتیب کی تعداد ۸۴۷ ہے۔ ایک اور مجموعہ 'خطوط شبلی' کے نام سے شائع ہوا، جس میں عطیہ بیگم اور زہرا بیگم کے نام علامہ کے سو خطوط شامل تھے۔ کتابی صورت میں ان مکاتیب کی اشاعت کے بعد بھی علامہ شبلی کے بہت سے خطوط مختلف اوقات میں علمی و ادبی مجلّات مثلاً ماہ نامہ معارف اعظم گڑھ، نقوش لاہور، ندیم گیا سب رس حیدرآباد، اورینٹل کالج میگزین لاہور وغیرہ میں شائع ہوئے۔ کئی اہل قلم نے علامہ کے بعض خطوط اپنی کتابوں اور مضامین میں شائع کیے۔ زیر نظر کتاب مکاتیبِ شبلی اور خطوطِ شبلی میں شامل خطوط کے علاوہ دیگر مطبوعہ اور غیر مطبوعہ خطوط کا مجموعہ ہے۔ ان کی تعداد دو سو دس (۲۱۰) ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنی علمی زندگی کا مشن بنا رکھا ہے۔ متعلقات شبلی، کتابیات شبلی اور شبلی سخنوروں کی نظر میں، کے بعد اب انہوں نے مکتوبات شبلی مرتب کی ہے۔ یہ مکتوبات متعدد پہلوؤں سے اہمیت کے حامل ہیں۔ جن لوگوں کو یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں ان میں ادباء بھی ہیں اور شعراء بھی، اہل علم و تحقیق بھی ہیں اور اہل سیاست بھی۔ ان مکتوبات سے علامہ شبلی کی سوانح اور متنوع خدمات کا ایک جامع مرقع سامنے آ جاتا ہے۔ فاضل مرتب نے تعلیقات و حواشی کا بھی اہتمام کیا ہے اور جن شخصیات کا خطوط میں ذِکر تھا، ان کا مختصر تذکرہ اور علامہ سے ان کے تعلق کی

نوعیت قلم بند کر دی ہے۔آخر میں اشخاص، کتب ورسائل اور مقامات کا اشاریہ بھی مرتب کر دیا ہے۔

حال میں (۲۰۱۳ء) ڈاکٹر اعظمی کی ایک اور کتاب 'آثار شبلی' کے نام سے منظر عام پر آئی ہے۔معلوم نہیں کیسے زیر تبصرہ کتاب میں کئی مقامات پر اس کے حوالے موجود ہیں۔

(تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، اپریل جون ۲۰۱۳ء)

ڈاکٹر نجمہ عسکری

مکتوبات شبلی شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو کسی وجہ سے مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی میں شامل نہیں تھے۔ یہ خطوط بعد میں مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہوئے اور مرتب کو نجی ذرائع سے بھی حاصل ہوئے۔ان خطوط کے ذریعہ نہ صرف شبلی کی عظیم المرتبت شخصیت کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ اتنے عظیم الشان کارناموں کی انجام دہی میں انہیں کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔مثلاً دار المصنّفین جیسا عظیم الشان علمی و تحقیقی ادارہ جو کہ صرف انہیں کی سوچ اور کاوش کا نتیجہ ہے انہیں کتنی محنت کرنا پڑی اور لوگوں کی بے اعتنائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔کچھ نئی دریافت بھی الیاس الاعظمی نے مہیا کی ہیں۔اب تک لوگوں کا خیال تھا کہ سرسید سے ان کی رسم و راہ قیام علی گڑھ کے زمانے سے ہوئی تھی جب کہ مرتب نے قیام علی گڑھ سے قبل کے خط شائع کر کے واضح کر دیا کہ سرسید سے ان کی خط و کتابت قیام علی گڑھ سے چار سال قبل سے تھی۔غرض کہ ان کی متنوع خدمات کا جامع مرقع ان خطوط میں آ گیا ہے۔ان خطوط کو پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک منفرد انشاء پرداز تھے جس کا اعتراف سرسید اور حالی جیسے لوگوں کو تھا بلکہ وہ ایک خوددار فقیر منش اور سخی اور حوصلہ مند انسان تھے۔حد یہ ہے کہ تہذیب الاخلاق کی خدمات میں وہ برابر کے حصہ دار ہوتے ہوئے بھی رسالہ خرید کر پڑھتے تھے۔جیسا کہ سرسید کے نام ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ:''تہذیب الاخلاق کی قیمت منفرد و مشترکہ سے مطلع فرمایئے۔''

ایک اور خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ جن لوگوں کے نام یہ خطوط ہیں ان کے بھی

حالات زندگی اور کارنامے مختصراً درج کر دیے گئے ہیں۔ جس کے ذریعہ ان بزرگوں کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، جن کے نام یہ خطوط ہیں۔

الیاس صاحب کی کاوش کا ماحصل ایک بات اور بھی ہے جیسا کہ انہوں نے اس کتاب میں حوالہ دیا ہے کہ شبلی نے ۲۰ رجون ۱۸۸۳ء کو شبلی اسکول اعظم گڑھ کی بنیاد رکھی تھی جو اب ترقی کر کے نیشنل پی.جی.کالج اعظم گڑھ ہو گیا ہے اس کی بھی تاریخ مرتب کی جانی چاہیے، جہاں سے فیضیاب ہو کر بہت مشہور و مقبول طلباء نکلے جنہوں نے ملک و قوم کا نام روشن کیا۔ اس طرف توجہ دینی ضروری ہے۔ شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی کو اردو ادب کا ایک عام قاری انہیں ایک انشاء پرداز اور نقاد کی حیثیت سے جانتا ہے شبلی کا نام آتے ہی موازنہ انیس و دبیر کو جو کہ تقابلی تنقید پر اردو کی پہلی کتاب ہے کا خیال ان کے ذہن میں آتا ہے۔ لیکن ان کے گوناگوں کارنامے سمجھنے اور جاننے کے لیے ان کے خطوط کا مطالعہ ضروری ہے۔ اچھا ہوتا اگر شبلی کے حیات اور ادبی کارناموں کا مختصر خاکہ بھی کتاب میں شامل کر دیا جاتا۔

[خبرنامہ اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنو، اپریل ۲۰۱۳ء، ص ۳۱-۳۲]

مولانا عزیز الحسن صدیقی

ایڈیٹر: تذکیر، غازی پور

مکتوبات شبلی ماہر شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تازہ ترین تالیف ہے۔ جو فی الاصل علامہ شبلی کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی میں شامل نہیں ہیں۔ یوں تو علامہ شبلی کے مکاتیب کی ترتیب و تدوین کا کام مولانا سید سلیمان ندوی نے علامہ شبلی کی زندگی میں شروع کر دیا تھا اور اس کی دو جلدیں معارف پریس میں چھپی تھیں۔ اس کے بعد مختلف اہل قلم نے اپنی کتابوں اور مضامین میں شائع کئے تاہم ایک ایسے مجموعہ مکاتیب کی ضرورت باقی تھی جو حیات شبلی کے نئے سرے سے مطالعہ و تحقیق کی تحریک پیدا کرے۔ یہ ضرورت مکتوبات شبلی سے تمام و کمال پوری ہوتی ہے اور تاریخوں اور سنوں کی تعیین میں بھی مدد ملتی ہے۔ زیر نظر مجموعہ میں ۲۱۰

مکتوبات شامل ہیں جو مشاہیر ہند کے نام لکھے گئے ہیں اور ان کی ترتیب مکتوب الیہ کے سنہ ولادت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے۔

پروفیسر خورشید نعمانی رودولوی نے اس کتاب پر جو تبصرہ کیا ہے وہ اتنا جامع اور مکمل ہے کہ مزید کچھ لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، اس لئے ہم ذیل میں اس کو من وعن نقل کر دیتے ہیں۔ اور شبلی شناسی کا ذوق رکھنے والوں سے اس کتاب کا مطالعہ کرنے کی شفارس کرتے ہیں۔

> ''متعلقات شبلی ، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں اور آثار شبلی کے بعد اب مکتوبات شبلی، قیامت دم لے یا نہ لے لیکن ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی ہیں کہ شبلی شناسی کی راہ میں سفر مدام میں مبتلا ہیں۔ اہل علم ابتک غالب شناسی واقبال شناسی تک محدود ہو کر رہ گئے تھے لیکن مولانا شبلی ان بزرگوں سے کم نہ تھے۔ اس میں شک نہیں کہ شبلی پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جارہا ہے لیکن جس جوش وجذبہ اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے شبلی شناسی کو اپنا مشن بنالیا ہے وہ قابل صد تحسین وآفریں ہے۔''

کتاب بہت عمدہ چھپی ہے۔ طباعت وکتابت نفیس ہے اور کاغذ بھی بہت اچھا ہے۔ قیمت بھی مناسب ہے۔ دوسو پچاس روپئے میں مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۔ ادبی دائرہ اعظم گڑھ ۲۔ دار المصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

[تذکیر، غازی پور ستمبر ۲۰۱۳ء]

روبی نکہت

جے، این، یو، نئی دہلی۔

خطوط کی روایت کا آغاز ما قبل تاریخ سے وابستہ ہے جب انسان ایک حد تک فہم وشعور کا مرحلہ طے کر چکا تھا۔ دور دراز علاقے میں سکونت پذیر ہونے کے باعث ذاتی ملاقات کے مواقع بہت کم دستیاب تھے۔ ایسی صورت میں یہ خطوط انسانی احساس وجذبے کی ترسیل اور اس

کے تبادلے کا بہترین وسیلہ ثابت ہوئے۔ معاشرے کے مختلف طبقات میں یہ روایت قدیم زمانے ہی سے پائی جاتی ہے۔ اردو ادب میں مرزا غالب کے خطوط نثر کا بہترین سرمایہ ہیں۔ اسی طرح رجب علی بیگ سرور مصنف ''فسانۂ عجائب'' کے خطوط جو ''انشائے سرور'' میں شامل ہیں: انشا پردازی کا بے مثل نمونہ ہیں۔ بعد کے زمانے میں سر سید احمد خاں، ڈپٹی نذیر احمد، الطاف حسین حالی، محمد حسین آزاد، شبلی نعمانی، اکبرالہ آبادی، ڈاکٹر اقبال، نیاز فتح پوری اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مکاتیب بھی اپنے کیف وکم ہر اعتبار سے بہترین نثری اثاثے ہیں۔ ان باتوں سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ مکتوباتی ادب مقبول ہونے کے ساتھ ادب عالیہ کا حصہ ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی [1957-1914] اردو کے صاحب طرز انشاپرداز اور ادیب ہیں۔ ان کی تصنیفات وتالیفات کا دائرہ بڑا وسیع اور متنوع ہے۔ انہوں نے تاریخ وتنقید، فلسفہ وعلم کلام اور ادب وشاعری کے ساتھ اسلامیات اور سیرت نبوی کے موضوع پر بھی تصانیف چھوڑی ہیں۔ آپ کی مشہور ومعروف تصانیف یہ ہیں: المامون، الفاروق، الغزالی، سوانح مولانا روم، سیرۃ النبیؐ سیرۃ النعمان، اورنگ زیب عالم گیر، الکلام، علم الکلام، موازنۂ انیس و دبیر، شعرالعجم، مقالات شبلی، دیوان شبلی، اسکات المعتدی، الجزیہ، الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی وغیرہ۔ اس کے علاوہ انہوں نے خطوط کا بھی وافر ذخیرہ چھوڑا ہے۔ علامہ شبلی نے اپنی زندگی میں بہت سارے خطوط لکھے ہیں لیکن وہ سبھی ہمارے دسترس میں نہیں آ سکے۔ ان میں سے کچھ خطوط کو ہی جمع کرنا ممکن ہوسکا، جس کی ترتیب کی سب سے پہلی کوشش سید سلیمان ندوی نے کی اور ۸۴۷ر خطوط کا مجموعہ ''مکاتیب شبلی'' کے عنوان سے دو جلدوں میں شائع کیا۔ دوسری کوشش محمد امین زبیری نے کی اور فیضی بہنوں (عطیہ بیگم وزہرا بیگم) کے نام لکھے گئے ۱۰۰ر خطوط کا مجموعہ ''خطوط شبلی'' کے نام سے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔ اس کے علاوہ جزوی کوششیں بھی ہوئیں۔ اس تعلق سے خواجہ حسن نظامی، عبدالماجد دریابادی اور سید محمد حسنین کے نام اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے خطوط رسائل وجرائد کی زینت بنے۔ اس فہرست میں اب ایک اور نام کا اضافہ ہوگیا ہے۔ وہ ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی ہیں جنہوں نے شبلی کے ان خطوط کو جمع کیا ہے جو رسائل اور دوسری کتابوں میں بکھرے پڑے تھے۔

تازگی، ندرت اور ایجاز شبلی کے اسلوب کی خصوصیت ہے۔ اس کے ساتھ زبان کی سادگی اور ادائے مطلب میں بے تکلفی ان کے خطوط کا بنیادی وصف ہے۔ مولوی عبدالحق نے ''خطوط شبلی'' کے مقدمہ میں ان کے اسلوب کے انہیں خصوصیات کو نشان زد کرتے ہوئے تحریر کیا ہے کہ

> ''ان خطوط کی سب سے بڑی خوبی بے ریائی ہے، تکلف کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور مصلحت کی دراندازی کا کھٹکا نہیں رہتا۔ گویا انسان اپنے سے خود باتیں کرتا ہے، جہاں اندیشۂ لائم نہیں ہوتا۔ یہ دلی جذبات اور خیالات کا روزنامچہ اور اسرارِ حیات کا صحیفہ ہے۔ پھر کون ہے جو اس خاموش آواز کو سننے کا مشتاق نہ ہوگا۔ یہ ہماری فطرت میں ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہم روزنامچوں، آپ بیتیوں اور خطوں کو بڑے ذوق اور شوق سے پڑھتے ہیں۔''

ڈاکٹر الیاس الاعظمی کا نام ''مطالعات شبلی'' کے حوالے سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ انہوں بڑی محنت اور لگن کے ساتھ علامہ شبلی کو اپنے مطالعے کا موضوع بنایا ہے۔ یکے بعد دیگرے شبلی کے تعلق سے ان کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں جن میں سے چند کے نام یہ ہیں: متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں اور آثار شبلی کے بعد مکتوبات شبلی وغیرہ- ابھی تک شبلی کے تعلق سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ جس توجہ اور خلوص کے ساتھ انہوں نے لکھا ہے اس پر وہ ہمارے شکریے کے مستحق ہیں۔ مکتوبات شبلی-شبلی کے ۲۱۰ رخطوط کا مجموعہ ہے جسے مکتوب الیہ کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ ایک اچھی کوشش اور بہترین خراج عقیدت ہے۔ ہاں پروف کی خامیاں گراں گزرتی ہیں۔

[ماہنامہ اردو دنیا، دہلی، ستمبر ۲۰۱۳ء صفحہ ۸۰]

ڈاکٹر شبانہ نسرین

شبلی کا شمار ایک بڑے پائے کے ادیب، ایک اعلیٰ مورخ، ایک قابل نقاد اور ایک منفرد

سوانح نگار میں ہوتا ہے۔ ان کی انفرادیت مستحکم اور نمایاں ہے۔ ان کی تحریروں میں فلسفیانہ ذہن، تحقیقی استدلال اور جوشِ بیان پایا جاتا ہے۔ قدیم و جدید نظریۂ امتزاج کے ساتھ ان کے یہاں ایک آزاد اور مستقل سنجیدگی حیات بھی ملتی ہے۔ مختلف اصناف ادب کے ساتھ ان کی مکتوب نگاری بھی خاص اہمیت کی حامل ہے۔ ''مکتوبات شبلی'' ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی ترتیب کردہ ہے۔ اس سے پہلے شبلی کے خطوط کی دو جلدیں شائع ہو کر منظر عام پر آئیں۔ اس کے بعد تیسرا مجموعہ جس میں ۱۰۰/خطوط شامل ہیں بابائے اردو مولوی عبدالحق کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ مکتوبات شبلی میں ڈاکٹر اعظمی صاحب نے ۲۱۰/خطوط شامل کیے ہیں۔ یہ تمام وہ خطوط ہیں جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل و جرائد مثلاً ماہنامہ معارف [اعظم گڑھ] نقوش [لاہور] ندیم [گیا] سب رس [حیدرآباد] اورینٹل کالج میگزین [لاہور] وغیرہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ صاحبِ کتاب نے اس میں مکاتیبِ شبلی کی جلد اول اور جلد دوم کے خطوط کی تعداد اور مکتوب الیہ کے ناموں کی فہرست کو از سر نو اجاگر کیا ہے جس کی وجہ سے شبلی کی خطوط نگاری کی مکمل تاریخ ایک نظر میں سامنے آجاتی ہے۔

فنِ ترتیب و تدوین ایک اعتبار سے بکھرے ہوئے جواہر پارے کو یک جا کرنے کا نام ہے۔ ''مکتوبات شبلی'' جہاں شبلی کی خطوط نگاری کی تاریخ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے وہاں ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی بے پناہ تحقیقی صلاحیتوں اور محنت و جاں فشانی کو بھی اجاگر کرتی ہے۔ مکتوبات کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں جیسا کہ دو معروف طریقے رائج ہیں، ایک مکتوب الیہ کے لحاظ سے اور دوسرا تاریخ کی ترتیب کے لحاظ سے۔ زیر نظر کتاب میں مرتب نے اول الذکر طریقے کو فوقیت دی ہے۔

اس کی ترتیب میں اعظمی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ رہا ہے کہ انہوں نے ہر خط کے ساتھ تعلیقات و حواشی لکھ کر مکتوب نگار اور مکتوب الیہ کے تعلقات کی نوعیت کو واضح کر دیا ہے اور ساتھ ہی کچھ ایسے تاریخی پس منظر کو بھی ابھارنے کی کوشش کی ہے جن سے مختلف حقائق و واقعات اجاگر ہوتے ہیں اور قارئین کی دلچسپی کا سامان فراہم کرتے ہیں، اس کے علاوہ کتاب کے آخر میں اشاریے بھی بے مثال اور قابل ذکر ہیں کہ ان میں صفحات کے نمبروں کے ساتھ مشہور

شخصیتوں اور مقامات کی نشاندہی کی گئی ہے، جس میں حروف ابجد کی ترتیب کوملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

کتاب کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صاحب کتاب نے بے انتہا عرق ریزی اور صحیح ماخذوں کی تلاش کے بعد اس کتاب کے لیے مواد جمع کر کے یقیناً ایک گراں مایہ خدمت انجام دی ہے۔ شبلی کی ذات بابرکات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ خطوط نگاری کی تاریخ مرتب کرتے وقت طلبا کے لیے ''مکتوبات شبلی'' جیسی قابل قدر کتاب کا مطالعہ ان کی معلومات میں گراں قدر اضافہ ثابت ہوسکتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی یہ کتاب یقیناً کالجوں اور لائبریریوں کے لیے ایک حوالہ کی حیثیت سے مفید ثابت ہوگی۔ کتابت و طباعت بے انتہا عمدہ، صاف ستھری اور غلطیوں سے پاک ہے اور مرتب کی نفاست طبع اور حسن ترتیب کی آئینہ دار ہے۔

[روحِ ادب، کولکاتا، اپریل تا جون ۲۰۱۳ء صفحہ ۶۵-۶۶]

فاروق اعظم قاسمی

جے، این، یو، نئی دہلی۔

شبلی مرحوم بڑے نصیب ور تھے کہ موافق ومخالف دونوں حلقوں میں ان کی علمیت وعظمت مسلم ہے۔ وہ بیک وقت جید عالم دین، بلند پایہ مصنف وناقد، شاعر وادیب اور ایک عظیم دانش ور تھے۔ اردو نظم ونثر کے دامن کو وسیع تر کیا اور اردو تنقید کی بنیاد مضبوط کر کے اسے ایک جہت عطا کی۔ چوں کہ ان کی ذات میں شاعر، ادیب، ناقد اور دانش ور ایک ساتھ سانس لیتے تھے اس لئے شبلی کے تعلقات کی حدود بھی بڑی وسیع تھیں۔ ان کے مکتوب الیہ میں سر سید احمد خاں، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی، مولانا محمد علی مونگیری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حکیم سید عبدالحی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا ظفر علی خاں، خواجہ حسن نظامی، علامہ سید سلیمان ندوی مولانا عبدالسلام ندوی اور حکیم اجمل خاں وغیرہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

شبلی نے اپنی ۳۴ رسالہ علمی زندگی میں کل ۴۱ رتصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ ۴ رعربی ،

۷رفارسی اور بقیہ اردو زبان میں لکھی گئی تصانیف ہیں۔اسی طرح دنیا بھر کی زبانوں میں شبلی کی کتابوں کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

باضابطہ تصنیفات کے علاوہ ان کے خطوط کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔شبلی کی وفات کے بعد ۱۹۱۶ء میں مکاتیب شبلی کے نام سے پہلی مرتبہ سید سلیمان ندوی نے ایک مجموعہ شائع کیا پھر ایک سال بعد ۱۹۱۷ء میں سید صاحب ہی کے ہاتھوں اس کی دوسری جلد منظر عام پر آئی۔دونوں جلدوں میں ۸۴۷ خطوط شامل ہیں۔اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں محمد امین زبیری نے بھی سو خطوط کا مجموعہ ''خطوط شبلی'' کے نام سے شائع کیا۔اس کے علاوہ خواجہ حسن نظامی اور مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ نے بھی اپنی اپنی کتابوں میں ضمناً شبلی کے کچھ خطوط شائع کئے۔۱۹۸۸ء میں سید محمد حسنین نے بھی ۱۷رخطوط کے اضافے کے ساتھ ''خطوط شبلی بنام آزاد'' شائع کیا۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کا ترتیب دادہ زیر نظر مجموعہ ''مکتوبات شبلی'' اس سلسلے کی تیسری باضابطہ کڑی ہے۔بقول مرتب مذکورہ دونوں مجموعوں کے علاوہ دیگر ۲۱۰ خطوط پر مشتمل یہ مجموعہ ہے۔اس مجموعے میں شبلی کا آخری خط ۲۹رجولائی ۱۹۱۴ء کا مولانا عبدالماجد دریابادی کے نام ہے اور شبلی کی تاریخ وفات ۱۸رنومبر ۱۹۱۴ء ہے۔ان تین مہینوں کے دوران بھی شبلی نے ضرور خطوط لکھے ہوں گے۔یہ امکانی نکتہ شبلی کے آئندہ مجموعہ خطوط کی راہ کھولتا ہے۔

کہتے ہیں کہ کسی کی اصل زبان معلوم کرنا ہو تو نیند میں اس کے بڑبڑانے کو سنو اور زبان کے توسط سے کسی عہد کو جاننا ہو تو اس وقت کے خطوط کا مطالعہ کرو۔اسی شخص کے اندرون جاننے کا بہترین ذریعہ یہ خطوط ہیں۔

خط چوں کہ بے تکلفانہ افکار وخیالات کی تحریری شکل ہوتی ہے اس لئے اس کے ذریعے سچ اور حق تک پہنچنا نسبتاً زیادہ آسان ہوتا ہے۔

غالب سے منٹو اور منٹو سے دور حاضر تک مکتوباتی ادب کا ایک افادی پہلو یہ بھی رہا ہے کہ اس سے بہت سی الجھی ہوئی تاریخی گتھیاں سلجھی ہیں،خود شبلی کی حیات کے بہت سے اوجھل پہلو ان خطوط سے اجاگر ہوئے ہیں۔مثلاً شبلی کی دوسری بیوی،کم سن بیٹے اور دادا حسن علی کی تاریخ وفات کا صحیح علم کا ذریعہ یہی خطوط ہیں۔مرتب کے بقول:

''مکاتیب شبلی کا یہ مجموعہ سوانح شبلی کے چند نئے گوشوں اور پہلوؤں کو پیش کرتا ہے اور حیات شبلی کے نئے سرے سے مطالعہ وتحقیق کی تحریک پیدا کرتا ہے۔''

اس مجموعے کے بعض خطوط دوستانہ نوعیت کے ہیں۔کچھ انٹرویو اور بیشتر مکاتیب علمی بحث وتحقیق پر مشتمل ہیں۔القاب وآداب کے کسی خاص اہتمام کے بغیر یہ خطوط انتہائی سادہ اور شیریں زبان میں لکھے گئے ہیں۔حیرت ہوتی ہے کہ ایک صدی اور اس سے بھی پہلے کے ان خطوط کی زبان اور آج کی موجودہ زبان میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا۔ان کے خطوط زیادہ سے زیادہ دو سے ڈھائی صفحات طویل اور کم سے کم آدھی سطر کے بھی مختصر ترین ملتے ہیں۔شاید منٹو نے یہیں سے کفایت لفظی کا درس لیا ہو۔

قابل مبارک باد ہیں مرتب صاحب کہ انہوں نے انتہائی عرق ریزی سے قطرہ قطرہ سمندر تیار کر دیا ہے۔آثار شبلی، متعلقات شبلی اور کتابیات شبلی کے بعد اب مکتوبات شبلی کی اشاعت دبستان شبلی سے ان کی گہری وابستگی کا پتہ دیتی ہے۔شبلی شناسی کے لئے یہ مجموعہ ایک انمول تحفے سے کم نہیں۔

[ماہنامہ ایوان اردو، دہلی، اکتوبر ۲۰۱۳ء ص ۵۷-۵۸]

حافظ عمیر الصدیق ندوی

رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

علامہ شبلی کے علمی ورثہ میں ان کے بعد جو اضافہ ہوا اس میں ان کے حصہ مکاتیب کو بڑی اہمیت ملی۔خطوط کے جمع وتدوین میں جامعین ومرتبین کا ذوق اور مصلحت کا شامل ہونا کوئی امر ناروا نہیں، مولانا سید سلیمان ندوی نے مکاتیب شبلی مرتب کی تو ان کے سامنے علامہ کے ہزاروں خطوط تھے۔علامہ کی عقیدت میں وہ کسی ایسے مومن کی طرح تھے جس کے نزدیک قرآن کی سب صورتیں برابر ہیں، اس کے باوجود انہوں نے خطوط کے انتخاب میں کچھ اصول ملحوظ رکھے

جیسے ان سے ذاتی سوانح کا کوئی واقعہ ظاہر ہو یا کسی علمی، اصلاحی اور قومی مسئلہ کا ذکر ہو یا انشاپردازی کا کوئی نمونہ موجود ہو، جمع وتدوین میں ذاتی ذوق اور عام افادیت کے اس پہلو کے یہ پہلو خطوط شبلی جیسے مجموعے بھی ہیں، جو مثبت اور منفی جیسے الفاظ سے کے فرق وامتیاز کی وضاحت خود کرتے ہیں۔ بہر حال علم کے اس پتلے کا جب ایک رونگٹا بیکار نہیں سمجھا جاتا تو جواہر کی بے قدری کیوں کر ممکن ہے، مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی اگر دو کنارے تھے تو ان کے درمیان وقتاً فوقتاً رسالات شبلی کی لہریں اٹھتی رہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے کہ مختلف کتابوں اور رسالوں میں شبلی کے خطوط پہلی بار مطبوعہ ہونے کا شرف حاصل کرتے رہے ہیں، ان کی تفہیم کی لذت تو اصل مضامین کے ساتھ حاصل کی جاسکتی ہے لیکن زمانہ اب عجلت وسہولت کا ہے، اسی مقصد سے ان بکھرے جواہر ریزوں کو یکجا کیا گیا، ایسے خطوط بھی ہیں جو کہیں کسی شکل میں شائع نہ ہوئے تھے، ان کو بھی حاصل کیا گیا۔ تدوین وترتیب کے نئے چلن میں حواشی سے مفر نہیں، سو اس کا بھی اہتمام کیا گیا اور اب یہ جس شکل میں ہے وہ شبلیات کے شائقین کے لئے کارآمد اور مفید ہے۔

[ماہنامہ معارف نومبر ۲۰۱۳ء ص ۳۹۷-۳۹۸]

ڈاکٹر سعیدہ پٹیل

ریسرچ آفیسر، انجمن اسلام اردو ریسرچ انٹی ٹیوٹ، ممبئی

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی مشہور ومعروف مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ ماہر شبلیات بھی ہیں۔ علامہ شبلی پر لکھی گئی ان کی کئی تصانیف، متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، آثار شبلی وغیرہ شائع ہو کر مقبولیت حاصل کر چکی ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی اردو، فارسی اور عربی زبان وادب کے نامور عالم دین، مایہ ناز مورخ، جدید انشاپرداز، ادیب وشاعر ہیں۔ ان کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔

زیر تبصرہ کتاب علامہ شبلی نعمانی کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ جسے ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے بڑی محنت وجانفشانی سے ترتیب دیا ہے۔ علامہ شبلی کے مکاتیب کی ترتیب وتدوین کا کام ان کے شاگرد مولانا سید سلیمان ندوی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ انہوں نے مکاتیب شبلی کو دو جلدوں میں

شائع کیا ہے۔اس طرح علامہ شبلی کے کل ۸۸۴خطوط کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ زیرنظر کتاب کے پہلے صفحے پر ہی مرتب ڈاکٹر محمد الیاس نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتاب ''علامہ شبلی کے ان خطوط کا مجموعہ جو مکاتیب شبلی اور خطوط شبلی میں شامل نہیں ہیں۔''

پیش نظر کتاب میں علامہ شبلی کے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کل ۲۱۰ خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط کئی لحاظ سے اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً ان میں وہ مکتوب بھی شامل ہیں جو مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی نے مکاتیب شبلی کی اشاعت کے وقت مصلحتاً روک لئے تھے اور جنہیں بعد میں ان کے پوتے پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی نے ماہنامہ معارف اعظم گڑھ میں شائع کرایا۔اس میں ندوہ سے متعلق بعض وہ آراء وخیالات ملتے ہیں جو مکاتیب شبلی میں نہیں ملتے۔شبلی کی شخصیت و سوانح، ندوہ کی تاریخی جدوجہد اور علامہ شبلی کی متنوع خدمات کا ایک جامع مرقع ان خطوط میں آ گیا ہے۔

بحیثیت مجموعی مکاتیب شبلی کا یہ مجموعہ شبلی کی زندگی کے چند نئے گوشوں اور پہلوؤں کی پیش کرتا ہے۔

[نوائے ادب، ممبئی، اکتوبر ۲۰۱۲ء تا مارچ ۲۰۱۳ء ص ۹۵]

---

[۵]

آثار شبلی

پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی

مدیر: کانفرنس گزٹ، علی گڑھ

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے علامہ شبلی کی حیات اور کارناموں کے مختلف گوشوں پر جتنا اور جیسا کام جس محنت اور لیاقت سے انجام دیا ہے وہ لائق ستائش بھی ہے، موجب تہنیت بھی اور باعث رشک بھی۔ زیر تبصرہ کتاب ان کی کلاہ افتخار میں ایک اور قیمتی پر ہے۔ یہ کتاب پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ڈائرکٹر شبلی اکیڈمی کے پیش لفظ اور خود مصنف کے دیباچہ کے علاوہ آٹھ ابواب میں منقسم ہے۔ آخر میں اشاریہ اور کتابیات ہیں۔

پہلے باب کا عنوان توقیت شبلی ہے۔ اس میں علاوہ دیگر امور کے علامہ شبلی نے جس سال جو علمی یا ادبی کام کیا ہے وہ درج ہے۔ بعد کے ابواب تصنیفات، تالیفات، رسائل، مقالات وخطبات، مجموعہ کلام (فارسی واردو)، مکتوبات اور نوادرات پر مشتمل ہیں۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ علامہ شبلی نے نسبتاً کم عمر میں کتنے موضوعات پر کتنا کام کرلیا تھا اور کام بھی ایسا جوان کی وفات کے ۹۹/سال گذر جانے کے بعد آج بھی کتنا تازہ اور کیسا حیات بخش ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ ان کی پہلی تصنیف ''اسکات المعتدی علی انصات المقتدی'' عربی میں ہے لیکن پھر انہوں نے اپنے اشہب خامہ کا رخ اردو کی طرف موڑ دیا، شاید اس لیے کہ وہ جن لوگوں تک خاص طور سے پہنچنا چاہتے تھے انہیں اردو ہی میں مخاطب کرنا ضروری تھا یا پھر شاید اس

وجہ سے کہ وہ اردو کے علمی اورادبی خزانے کو زیادہ سے زیادہ مال دار بنانے کے متمنی تھے۔ان کی تصنیفات وتالیفات سے اردو کا کون طالب علم واقف نہیں ہے۔تاہم فاضل مصنف نے کامیاب کوشش کی ہے کہ ترتیب (یا فہرست) ہی میں ہر تصنیف یا تالیف کے بارے میں اس طرح مفید معلومات جمع کر دی جائیں جیسے مختلف اشاعتیں، مختلف زبانوں میں تراجم، سرورق کا فوٹو بھی دے دیا گیا ہے اور آثار کے پس ورق کو علامہ کے سواد خط سے مزین کیا گیا ہے۔

توقیت کے علاوہ دیگر ابواب میں بھی ترتیب کتب سنہ وار ہے۔ ہمارے نزدیک بہتر ہوتا کہ وہاں یہ ترتیب موضوعات کے اعتبار سے ہوتی۔مثلاً سلسلۂ ناموران اسلام میں سب کتب ایک جگہ آ جاتیں۔اب قاری کو یہ معلوم کرنے میں دقت ہوتی ہے کہ مصنف العلام نے مامون الرشید کے علاوہ کن اور لوگوں کو کن کن میدانوں میں نام ور تسلیم کر کے ان کے حالات کے زندگی اور کارناموں پر قلم اٹھایا ہے۔

ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے مختلف ابواب کے تحت مختلف تصنیفات وتالیفات کا مختصر لیکن جامع تعارف کرا دیا ہے، ان کے مشمولات پر روشنی ڈال دی ہے اور دیگر متعلقہ معلومات فراہم کر دی ہیں۔اس موقع پر علامہ شبلی کی علمی وادبی حیثیت کا جائزہ لینا غیر ضروری ہے تاہم بعض اشارے کر دینا ناگریز ہے۔

علامہ شبلی عالم دین، مورخ، محقق، انشا پرداز، مکتوب نگار، نقاد، شاعر سب ہی کچھ تھے لیکن ان کی جو حیثیت سب سے زیادہ نمایاں رہی ہے یا کہیے جس پر سب سے زیادہ گفتگو کی گئی ہے وہ ایک مورخ کی حیثیت ہے۔آثار شبلی پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی سات تصانیف اس ضمن میں آتی ہیں، مقالات ان کے علاوہ ہیں۔ان کی ان تصانیف میں کون کسے فوقیت دیتا ہے یہ اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی توفیق پر منحصر ہے۔ان کی تاریخ نویسی پر ایک اعتراض عام طور سے کیا جاتا ہے کہ ان کا رویہ (approach) مدافعانہ ہے۔اس کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ اکابر مسلم پر جو حملے بالخصوص مستشرقین کی طرف سے ہو رہے تھے یہ ان کا ردعمل تھا۔تاہم تاریخ نویسی کا اصل الاصول یہ ہونا چاہیے کہ غلط اعتراض کی تردید کی جائے اور صحیح اعتراض کو تسلیم کیا جائے۔

تاریخ ونقد ادب میں ہمارے نزدیک علامہ شبلی کی سب سے بلند پایہ تصنیف شعرالعجم ہے۔اس پر تحقیقی نقطہ نظر سے بعض اعتراض کیے گئے ہیں۔اگر وہ درست ہوں تب بھی شعرالعجم اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔اس نے ہندوستان میں فارسی کے مٹتے ہوئے ذوق کو زندہ کیا۔اہل نظر کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس میں اشعار کا انتخاب لاجواب ہے۔موازنۂ انیس ودبیر بھی تقابلی مطالعے کا بہت اچھا نمونہ ہے۔اس نے بالخصوص میر انیس کی تفہیم کو عام کیا ہے۔

مکتوبات کے ضمن میں ڈاکٹر الیاس الاعظمی صاحب نے ''مکاتیب شبلی'' (۲رجلد) اور ''خطوط شبلی'' کا تفصیلی حوالہ دیا ہے۔مکاتیب میں بھی بعض بہت عمدہ خط شامل ہیں، لیکن ''خطوط شبلی'' چیزے دیگر ست۔وہ اردو ادب کا شہکار ہے اور علامہ شبلی کو مرزا غالب کے بعد اردو مکتوب نگاری میں سب سے اعلیٰ مقام عطا کرتی ہے۔اس معاملے میں ان دونوں کے قریب اگر کوئی آتا ہے تو وہ مہدی افادی (صحیفہ محبت) اور رشید احمد صدیقی ہیں۔رشید صاحب کا امتیاز خصوصی یہ ہے کہ ان کے تقریباً سب ہی خطوط غالب کی مانند بلند پایہ ہیں۔

علامہ شبلی کی فارسی شاعری یقیناً اردو شاعری سے برتر ہے۔اس کے بارے میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تو رائے ہے کہ ہندوستان میں فارسی شاعری غالب پر نہیں، علامہ پر ختم ہوئی۔ بعض لوگوں نے ان کے بعض اشعار کی شوخی پر چشم نمائی بھی کی ہے۔یہ وہ لوگ ہیں جو تصویر کا بس ایک رخ دیکھنا چاہتے ہیں اور مکمل شخصیت کی طرف سے آنکھیں بند رکھنا پسند کرتے ہیں۔شبلی صرف عالم دین نہیں بلکہ وہ بقول خورشید الاسلام، ہندوستان میں پہلے یونانی تھے اور یہی ان کا اصل امتیاز تھا اور سچی بات یہ ہے کہ وہ ہمیں اسی لیے زیادہ عزیز ہیں۔انیسویں، بیسویں صدی کے ہندوستان میں دو ہی علمائے دین تو ماورائے عالم گذرے ہیں اور وہ شبلی اور آزاد۔شبلی ایک مہذب باصلاحیت جوان العمر خاتون کو مشورہ دے سکتے ہیں کہ وہ موسیقی میں مہارت حاصل کریں اور آزاد اعتراف کرتے ہیں کہ انہوں نے تاج محل میں بیٹھ کر ستار بجایا اور تاج کی برجیوں نے جھک کر ان سے سرگوشی کی۔شبلی اپنی حسن شناسی کا ثبوت اپنے شوخ اشعار میں مہیا کر سکتے تو آزاد اپنی خوب صورت نثر میں۔کتنی مماثلت تھی ان دونوں مولاناؤں میں اور اسی وجہ سے وہ دونوں اہل دل کے قبلہ وکعبہ بن گئے۔

خاکسار تبصرہ نگار کی نظر میں الجزیہ ایسی تصنیف ہے جو دوسری دنیا میں علامہ شبلی کو اعلیٰ مقام دلانے کے لیے بہت کافی ہے۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ اسلام میں جسمانی فوجی خدمت صحیح القویٰ مسلمانوں پر لازم ہے لیکن جو غیر مسلم یہ خدمت انجام دینا نہ چاہیں وہ اس کے بجائے یہ ٹیکس ادا کریں اور جو جسمانی خدمت پر آمادہ ہوں وہ اس ٹیکس سے مستثنیٰ ہیں۔ اب جزیہ میں جبر و زیادتی کا شائبہ بھی نہیں رہتا بلکہ وہ غیر مسلم شہریوں کے ساتھ رعایت بن جاتا ہے۔

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم اپنے مشمولات کے علاوہ ہمارے لیے اس وجہ سے بھی باعث کشش ہے کہ یہ دراصل علامہ شبلی کا وہ خطبہ ہے جو انہوں نے آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے ایک سالانہ اجلاس میں دیا تھا۔ دور سرسید کی کانفرنس کا ایک امتیاز یہ مانا جاتا ہے کہ اس کے سالانہ اجلاس علامہ شبلی اور بعض دوسرے بلند پایہ خطیبوں اور مقرروں کے خطبات و تقاریر کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہوتے تھے۔ مولانا آزاد نے تو الہلال میں لکھا تھا کہ کانفرنس کا دور زریں سرسید ہی کا دور تھا اور اس کا سبب انہوں نے ان خطبات اور تقاریر ہی کو قرار دیا تھا۔

سفرنامہ مصر و روم و شام جب لکھا گیا اس وقت اردو میں بہت کم سفرنامے لکھے گئے تھے۔ علامہ شبلی ایک حریت پسند شخص تھے اور وہ مسلم خلفاء و سلاطین کی شان و شوکت کے بقول خود مدح خواں رہے تھے۔ انہیں ان ممالک اور بعض دیگر مسلم ممالک میں اس شان کی ایک جھلک ملی اور وہ آزادی کی فضا سے سرشار ہوئے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ آزادی اب برائے نام رہ گئی تھی اور عثمانی سلطنت زوال آمادہ تھی۔ تاہم ایک غلام ملک کی گھٹن اور بے بسی سے بسا غنیمت تھی، اس لیے انہوں نے ان ممالک کے بارے میں اپنے جو تاثرات بیان کیے وہ مبالغے سے خالی نہیں۔ ان سے ان ممالک کے بارے میں معلومات کا ایک ذخیرہ بہر حال مہیا ہو گیا۔

علم کلام پر اردو میں بہت کم لکھا گیا ہے۔ علامہ شبلی کی تصانیف علم الکلام اور الکلام نے اس لٹریچر میں بیش بہا اضافہ کیا ہے۔ خاکسار تبصرہ نگار نے اپنے زمانہ طالب علمی میں ان سے بہت استفادہ کیا ہے لیکن وہ یہ اعتراف بھی کر چکا ہے کہ ان کتابوں کو پڑھ کر اس کے اندر معتزلہ کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا تھا۔

تالیفات میں علامہ شبلی کا سب سے بڑا کارنامہ تذکرہ گلشن ہند کی ''تصحیح و تحشیہ اور

اشاعت''، محسوس ہوتا ہے۔ ''آ ثار شبلی'' کے فاضل مصنف نے بھی اس کا بھرپور جائزہ لیا ہے اور بتایا ہے کہ اس کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، یہاں تک کہ ''حیات شبلی'' بھی اس کے ذکر سے خالی ہے۔ انہوں نے ایک دل چسپ انکشاف یہ کیا ہے کہ اس کا مقدمہ مولوی عبدالحق نے لکھا تھا۔ جہاں تک دل سے ''اعتراف'' کی بات ہے، مولوی عبدالحق سے اس کی توقع ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ ہمارے محققین کرام کی نظر کہاں تک پہنچتی ہے یا وہ کتنے دیانت دار ہوتے ہیں ڈاکٹر محی الدین قادری زور کے رویے سے اس کا بخوبی اندازہ ہوجاتا ہے۔ ''تذکرہ گلشن ہند'' کے بارے میں ضروری معلومات الیاس الاعظمی صاحب نے مہیا کر دی ہیں۔

مقالات وخطبات کے بارے میں کچھ لکھنے کی گنجائش ایک مختصر تبصرے میں نکالنا ممکن نہیں۔ نوادرات شبلی کے تحت اہم مباحث اٹھائے گئے ہیں اور اچھی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مثلاً فاضل مصنف کی یہ رائے بالکل درست محسوس ہوتی ہے کہ اگر علامہ شبلی کے محترمہ عطیہ فیضی کے نام خطوط دوسرے مکاتیب کے ساتھ شائع کر دیے گئے ہوتے تو ان خطوط کو لے کر معاندین شبلی وہ خرافات نہ برپا کر سکتے جو انہوں نے کی۔ اس سلسلے میں ''آ ثار شبلی'' میں علامہ کا مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کے نام جو خط نقل کیا گیا ہے وہ عطیہ فیضی کے نام خطوط سے کسی اعتبار سے کم نہیں ہے۔ اس خط کے مطالعے کے بعد کہا جا سکتا ہے کہ خط ایسے ہوتے ہیں اور اس طرح لکھے جاتے ہیں۔ یہ صحیح لکھا ہے فاضل مصنف نے کہ اگر علامہ نے یہی خط عطیہ فیضی صاحبہ کو لکھا ہوتا تو یار لوگوں نے خیالات کے کیسے طوطا مینا اڑائے ہوتے۔ علامہ کی جو تحریریں ابھی شائع نہیں ہوئی ہیں یا ادھر ادھر بکھری ہوئی ہیں اگر ان کی کتابی شکل میں جمع وترتیب واشاعت کا اہتمام ہوجائے تو اردو ادب کے خزانے میں مزید اضافہ ہوگا۔

آ ثار شبلی کی اشاعت پر مصنف کے علاوہ دارالمصنّفین بھی موجب تہنیت ہے۔ کتاب خوب صورت چھپی ہے اور قیمت بہت مناسب ہے۔

[ماہنامہ کانفرنس گزٹ نومبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۳-۳۶]

پروفیسر اشتیاق احمد ظلی

ڈائرکٹر: دارالمصنّفین اعظم گڑھ

علامہ شبلی نعمانی ایک عبقری، عہد ساز اور کثیر الجہات شخصیت کے حامل تھے۔ ان کی خدمات، علم وادب اور تحقیق وتصنیف تک محدود نہیں ہیں جو ان کا اصل میدان کار تھا بلکہ ان کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ مسلمانوں کی علمی، فکری، ملی، دینی، سماجی اور سیاسی زندگی کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہو جو ان کی مختصر زندگی میں کسی نہ کسی وقت ان کی توجہ کا مرکز نہ بنا ہو۔ علم وتحقیق کے میدان میں انہوں نے ایک ایسی روایت کی طرح ڈالی جو مغرب میں رائج معیار تحقیق سے ہم آہنگ تھی اور اس وقت تک برصغیر کے علمی حلقوں میں معروف نہیں تھی۔ ان کے قلم سے سیرت النبیؐ اور الفاروقؓ جیسے شہ پارے نکلے جن کی اہمیت، معنویت اور ندرت ایک صدی بعد بھی ویسے ہی قائم ہے۔ علم وادب، تحقیق وتصنیف اور تعلیم کے فروغ اور توسیع کے میدان میں ان کی خدمات غیر معمولی حیثیت کی حامل ہیں اور ان میں متعدد کو علمی دنیا میں اولیات کا درجہ حاصل ہے۔ تحقیق وتصنیف کے میدان میں ان کے کارناموں میں بڑا تنوع ہے۔ یہ یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ اتنے مختلف اور متنوع موضوعات پر یہ شاہ کار تصنیفات ایک ہی مصنف کے قلم سے نکلی ہیں۔ مسلسل بیماریوں اور بے شمار موانع ومشکلات کے باوجود ایک مختصر زندگی میں انہوں نے جو کچھ کر دکھایا اسے غیر معمولی ہی کہا جا سکتا ہے۔

دارالمصنّفین نے اپنے محدود وسائل کے باوجود علامہ شبلی کے مشن اور ان کے وژن کی جس طرح تکمیل کی وہ کسی بھی ادارہ کے لئے قابل فخر ہے۔ البتہ اکیڈمی علامہ کے مشن کی تکمیل اور ان کے خوابوں کو تعبیر آشنا کرنے میں اس حد تک مصروف ومنہمک رہی کہ اسے خود ان کے اوپر توجہ دینے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ اب جب کہ اکیڈمی کی تاسیس اور اس کے موسس کی وفات پر ایک صدی پوری ہونے والی ہے اس بات کی شدت سے ضرورت محسوس کی جارہی ہے کہ مشن کے ساتھ ساتھ خود موسس کی خدمات پر توجہ مرکوز کی جائے، ان کے علمی اور فکری ورثہ کی مختلف جہات کا گہرائی سے مطالعہ وتجزیہ کیا جائے اور ان کی خدمات، اثرات اور عہد حاضر میں ان کی معنویت کا

تعین کیا جائے۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ برصغیر میں مسلمانوں کے علمی، فکری اور تہذیبی ورثہ کی تشکیل میں علامہ شبلی کا کردار اساسی اہمیت کا حامل ہے۔

علامہ شبلی کے شاگرد رشید اور دارالمصنفین کے معمار علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کی دستیاب باقیات کو مدون اور شائع کر دیا تھا۔لیکن اس کے بعد بھی تسلسل سے علامہ کی غیر مطبوعہ اور غیر مدون تحریریں سامنے آتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اسی طرح علامہ شبلی کے علمی اور فکری اکتسابات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ان میں عقیدت مندانہ، مادحانہ، ناقدانہ اور معاندانہ ہر طرح کی نگارشات شامل ہیں۔اس پس منظر میں ایک ایسی تصنیف کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی تھی جس میں علامہ شبلی کی تمام معلوم نگارشات کا احاطہ کیا جائے۔ساتھ ہی اس وسیع لٹریچر کا بھی مطالعہ وتجزیہ کیا جائے جو ان کے تعلق سے معرضِ وجود میں آیا ہے۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی صاحب قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اس اہم ضرورت کی تکمیل کا سامان کیا۔

''آثارِ شبلی'' میں بڑے تفحص اور دیدہ ریزی سے علامہ شبلی کے آثار کا استقصاء کیا گیا ہے۔اس کے آئینہ میں علامہ کے علمی ورثہ کی ایک بھر پور تصویر سامنے آجاتی ہے۔اس میں کئی گوشے ایسے ہیں جو اس سے پہلے پوری وضاحت اور صراحت سے اہل علم کے سامنے پیش نہیں کئے جا سکے تھے۔چنانچہ شبلیات کے میدان میں ''آثارِ شبلی'' کو ایک اہم پیش رفت کی حیثیت حاصل ہے۔خاص طور سے اس لئے بھی کہ اس میں علامہ شبلی اور ان کی تصنیفات کے تعلق سے سامنے آنے والے لٹریچر کے احاطہ کا بھی پورا اہتمام کیا گیا ہے۔اس سے نہ صرف علامہ شبلی کے علمی اور فکری ورثہ کی بعض نئی جہات سامنے آئیں گی بلکہ کئی غلطیوں اور غلط فہموں کا ازالہ بھی ہو سکے گا۔

پروفیسر خورشید نعمانی ردولوی

شعبہ اردو، ممبئی یونیورسٹی، ممبئی

علامہ شبلی نعمانی عالم اسلام کی ایک ایسی عظیم المرتبت شخصیت ہیں جو انیسویں صدی میں مسلمانوں کے فکر وعمل کے ہر گوشے پر اپنا اثر ڈالا ہے۔علم وادب، تعلیم وتربیت، اخلاق ومذہب،

معاشرت وسیاست غرضیکہ زندگی کا ہر شعبہ ان کے افکار سے متاثر ہوا ہے اور اس طرح کہ ان کے اثرات آج تک ہماری زندگی میں جاری وساری ہیں، علم وادب، تحقیق وتصنیف، تاریخ وتعلیم کے فروغ اور توسیع میں ان کی خدمات غیر معمولی حیثیت کی حامل ہیں۔ ان کے قلم سے شہرہ آفاق سیرت النبیؐ، الفاروق، شعر العجم اور موازنہ انیس ودبیر جیسے شاہکار نکلے، جن کی اہمیت وافادیت اور معنویت امتداد زمانہ کے باوجود آج بھی مسلم ہے۔

اردو ادب کے عناصر خمسہ میں بھی وہ مرکزی حیثیت کی حامل شخصیت ہیں۔ مختصر وقفہ زندگی اور حادثات کے باوجود کارہائے نمایاں انہوں نے انجام دیئے جو آج بھی روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

مولانا شبلی کا وصال ۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء میں ہوا، اس وقت سے لے کر آج تک ان پر بہت کچھ لکھا گیا اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ ۱۹۴۳ء میں ان کے لائق شاگرد اور جانشین علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کی سوانح عمری ''حیات شبلی'' لکھی جو کہ مولانا حالیؒ کی ''حیات جاوید'' کے ہم پلہ ہے اور سوانح نگاری کی تاریخ میں اہم باب کے اضافے کی حیثیت رکھتی ہے اور مستند ہے۔ پھر اس کے بعد شبلی پر تصانیف کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔ شیخ محمد اکرام کی کتاب ''یادگار شبلی'' اس سلسلے کی کڑی ہے پھر ڈاکٹر سید عبداللہ کی تصنیف ''سرسید اور ان کے نامور رفقاء'' اور ڈاکٹر آفتاب احمد صدیقی کی کتاب ''شبلی ایک دبستاں''، سید صباح الدین مرحوم کی کتاب ''مولانا شبلی نعمانی پر ایک نظر'' پروفیسر آل احمد سرور کا مضمون ''شبلی میری نظر میں'' اور لامتناہی سلسلہ مضامین، رسائل وجرائد کے خاص نمبر وغیرہ میں ان کی تصانیف اور ان کے علمی وادبی، تنقیدی وتحقیقی، مذہبی وتعلیمی افکار ونظریات کا بڑی گہرائی وگیرائی سے مطالعہ وتجزیہ پیش کیا گیا ہے اور ان کے کام کی بڑی قدر وقیمت واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

علامہ شبلی پر ان اہم کتابوں کی تصنیف کے بعد یہ سوال کیا جاسکتا تھا کہ ڈاکٹر الیاس الاعظمی کو ''آثار شبلی'' لکھنے کی کیا ضرورت تھی لیکن انہوں نے ''آثار شبلی'' کے دیباچہ میں اس بات کی صراحت اس طرح کردی ہے وہ لکھتے ہیں:

''حیات شبلی محض سوانح عمری ہے، یہی وجہ ہے کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ حیات

شبلی کے نوسو صفحات کے بعد علامہ شبلیؒ کی تصانیف کے تعارف اور تجزیے پر مشتمل اس کا دوسرا حصہ لکھنے کے آرزومند تھے مگر افسوس کہ گردش ایام نے اس کی مہلت نہ دی اوران کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔اس لئے ضرورت تھی کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں علامہ شبلی کی تمام تصنیفات وتالیفات کا یکجا اور مفصل تعارف وتجزیہ ہواور جس میں دکھایا جائے کہ علامہ شبلی کی جامع کمال شخصیت کے کتنے پہلو اور کتنے گوشے تھے اور انہوں نے کیسے کیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور وہ علم وفضل کے کس بلند مقام پر فائز تھے۔زیرنظر کتاب اسی احساس کا نتیجہ ہےاوراس ضرورت کی تکمیل کی ایک ادنی کوشش ہے۔اللہ تعالیٰ کالاکھ لاکھ شکر ہے واحسان ہے کہ اس نے اس کام کو پیش نظر کتاب کی شکل میں پایہ تکمیل تک پہنچانے کی توفیق بخشی۔

ڈاکٹر اعظمی نے اس کتاب کو سات تفصیلی ابواب میں تقسیم کیا ہےاور آخر میں اشاریہ و کتابیات کی تفصیلات بھی دے دی ہیں جو کہ یہاں مختصراً نذر ناظرین کی جاتی ہیں۔

باب اول: توقیت شبلی۔علامہ شبلی،تذکرہ ماہ وسال ۱۸۵۷ء۱۹۱۴ء۔

باب دوم: تصانیف شبلی (۱) اسکات المعتدی علی انصات المقتدی (۲) ظل الغمام فی مسئلہ القراءۃ خلف الامام (۳) مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم (۴)المامون (۵) سیرۃ النعمان (۶) الجزیہ(۷) سفرنامہ روم ومصروشام (۸) الفاروق (۹) علم الکلام (۱۰) الکلام (۱۱) سوانح مولانا روم (۱۲) موازنہ انیس ودبیر (۱۳) اورنگ زیب عالمگیر پرایک نظر (۱۴) شعرالعجم (۱۵) الانتقاد (۱۶) سیرۃ النبیؐ۔

باب سوم: تالیفات اور رسائل– تذکرہ گلشن ہند، محمڈن اینگلو اورنیٹل کالج، ماہنامہ الندوہ،روداد ندوہ،رسالہ وقف علی الاولاد۔

باب چہارم: فارسی مجموعہ کلام،نظم شبلی، دیوان شبلی، دستہ گل، بوئے گل، برگ گل، کلیات فارسی

باب پنجم: اردو مجموعہ کلام،مثنوی صبح امید، نالہ شبلی،مجموعہ نظم شبلی،تاریخی جواہر،مجموعہ نظم

شبلی مع سوانح عمری، کلیات شبلی۔

باب ششم: خطبات شبلی مجموعہ مقالات وخطبات، مقالات شبلی مرتبہ سید سلیمان ندوی ۸/جلدیں، خطبات شبلی۔

باب ہفتم: مکتوبات شبلی، خطوط شبلی

باب ہشتم: نوادات شبلی، غیر مدون تحریریں، غیر مطبوعہ تحریریں، خاتمہ

اشاریہ و کتابیات: اشخاص کتب ورسائل، مقامات، تنظیم، تحریک، ادارے، کالج، یونیورسٹی، پبلشر، مطابع، کتابیات۔

ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی جواں سال اہل قلم ہیں۔ اب تک ان کی ۲۴/کتابیں شائع ہوچکی ہیں۔ جن میں تقریباً نصف کا تعلق دارالمصنّفین اوراس کے اہل قلم سے ہے۔ کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) دارالمصنّفین کی تاریخی خدمات (۲) علامہ سید سلیمان ندوی بحیثیت مؤرخ (۳) شاہ معین الدین احمد ندوی حیات و خدمات (۴) متعلقات شبلی (۵) کتابیات شبلی (۶) شبلی سخنوروں کی نظر میں (۷) رحمت عالم (اردو سے ترجمہ) (۸) مکتوبات شبلی (۹) آثار شبلی وغیرہ

مولانا شبلی اور دارالمصنّفین اوراس کے رفقاء سے ان کی شیفتگی و وارفتگی عشق کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ ابواب کی ترتیب وتفہیم اوران کی ایک درجن کتابوں سے ان کے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے اور بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ

قیاس زکن گلستان من بہار مرا

ان کی ان خدمات کے صلہ میں دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ نے انہیں اعزازی رفیق کے اہم عہدہ سے نوازا ہے۔

اس تصنیف کی وجہ جواز جوانہوں نے بیان کی ہے اپنی جگہ درست ہے، لیکن وہ طبعاً محقق واقع ہوئے ہیں۔ تحقیق کے بارے میں عموماً یہ بات کہی جاتی ہے کہ تحقیق میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔ وہ تحقیق کے شناور ہیں اور کہیں نہ کہیں سے تحقیق کے لیے کوئی گوشہ یا شوشہ نکال لیتے ہیں، مکتوبات شبلی ایسے خطوط ہیں جو کہ ابتک پردہ خفا میں تھے، ان کی بازیافت ودریافت، مولانا شبلی کی غیر مدون تحریریں، مولانا شبلی کی غیر مطبوعہ تحریریں ہے، انہوں نے قابل قدر کام کیا ہے۔

اس کتاب میں شبلی کے مداحین کے لیےتو سب کچھ ہے مگران کے معاصرین، معترضین وناقدین کے بھی شافی جواب اس کتاب میں موجود ہیں۔

دارالمصنّفین کے رفیق اعزازی کی حیثیت سے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔اس کتاب کی ابتداء میں پروفیسر اشتیاق احمد ظلی ڈائرکٹر دارالمصنّفین کامختصر مگر جامع پیش لفظ اور مصنف کا دیباچہ خاصے کی چیزیں ہیں۔

شبلی پران کی یہ تصنیف قول فیصل کا حکم رکھتی ہے اور''شبلیات'' کے ذخیرہ میں ایک گراں قدر اضافہ ہے،مکتوبات شبلی کی ابتداء میں''شبلی شناسی کے ضمن میں میری جوتحریر شامل ہے اسے اگر یہاں نقل کردیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

> متعلقات شبلی، کتابیات شبلی،شبلی سخنوروں کی نظر میں،مکتوبات شبلی اوراب آثار شبلی قیامت دم لے یانہ لےلیکن ڈاکٹرمحمدالیاس الاعظمی ہیں کہ شبلی شناس کی راہ میں سفرمدام میں مبتلا ہیں۔اہل علم اب تک غالب شناسی و اقبال شناسی تک محدود ہوکر رہ گئے تھےلیکن مولانا شبلی ان بزرگوں سے کم نہ تھے،اس میں شک نہیں کہ شبلی پربھی بہت کچھ لکھا گیا ہےاورلکھا جارہا ہےلیکن جس جوش وجذبہ اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹرمحمدالیاس الاعظمی نےشبلی شناسی کواپنی زندگی کامشن بنالیا ہےوہ قابل صدتحسین وآفریں ہےاوراس شعرکامعنوی مصداق بھی:
>
> حاصل عمر نثار رہ یارے کردم
> شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

امید واثق ہے کہ یہ کتاب اسی جذبہ اخلاص کے ساتھ پڑھی جائے گی جس جذبہ وخلوص سے لکھی گئی ہےاوراردو کےعلمی وادبی حلقے میں اس کی خاطرخواہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر محمد ارشد خاں

صوبیدار: راج پوت رجیمنٹ

علامہ شبلی نعمانی کا شمار اپنے عہد کی عبقری شخصیت میں ہوتا ہے۔ وہ ایک معلم، مؤرخ، سیاستداں، عالم، تنقید نگار، مترجم اور شاعر کی حیثیت سے علمی وادبی دنیا میں معتبر ومنفرد مقام رکھتے ہیں۔ ان کی شخصیت اور فن پر ان کی حیات ہی میں کچھ نہ کچھ لکھا جانے لگا تھا۔ اور آج بھی لکھا جارہا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا کیوں کہ علامہ شبلی نے جو کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں وہ لاثانی اور عدیم المثال ہیں۔ جنھیں علمی دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ کچھ حضرات نے ان کے کام کو سراہا ہے تو کچھ نے بے سروپا تنقیدیں بھی کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ علامہ شبلی جیسا علم وفن کا ماہر اب شاید ہی کوئی دوسرا مل سکے اور جو کام علامہ شبلی نے تنہا کر دکھایا ہے وہ کئی ادارے بھی مل کر نہیں کرسکیں گے یہ مفروضہ نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ آثار شبلی دیکھ کر یہی لگتا ہے۔

''آثار شبلی'' ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کی تازہ تصنیف ہے جو جنوری ۱۹۱۳ء میں دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی سے شائع ہوئی ہے۔ ۷۵۲ صفحات کی یہ کتاب شبلی شناسی میں یقیناً ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب سے پہلے علامہ شبلی کے متعلق ان کی کئی اور کتابیں منظر عام پر آکر مقبول ومعروف ہوچکی ہیں اور ان کا نام اسی لیے ماہر شبلیات کی حیثیت سے لیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو علامہ شبلی کی ذات سے بے انتہا عقیدت ہے جس کا اظہار ان کی تحریروں سے بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ علامہ شبلی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہوتے اور جہاں کہیں ان کو شبلی صاحب کی شخصیت پر کوئی بے جا وار کرتا ہوا نظر آتا ہے تو وہیں ان کا قلم مدلل ومسکت جواب دیتا ہے۔ ''آثار شبلی'' اس کی ایک عمدہ مثال ہے۔

'آثار شبلی' آٹھ ابواب پر مشتمل ہے جس میں شبلی صاحب کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تحریروں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ہر عنوان پر الگ سے بحث کی گئی ہے اور علامہ شبلی کی تحریر کی خوبی وخامی دونوں کو اجاگر کیا گیا ہے اور آخر میں انہوں نے اپنی رائے بھی قائم کی ہے جو بڑی ٹھوس اور مدلل

ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے شبلی شناشی کا حق ادا کر دیا ہے۔

پہلے باب میں علامہ شبلی کی تاریخ پیدائش سے لے کر ان کی وفات تک کا واقعہ تاریخی ترتیب کے ساتھ لکھا گیا ہے جس میں علامہ شبلی کی زندگی کا ہر پہلو ہماری آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور کہیں سے کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ ڈاکٹر صاحب نے علامہ شبلی کی زندگی کے اہم واقعات بھی اس حصے میں لکھ دیئے ہیں جس سے قاری کو علامہ کی زندگی کو پڑھنے سمجھنے میں آسانی ہو جاتی ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس میں علامہ شبلی کی ۱۷ کتابوں اور کتابچوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس حصے میں لائق مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ علامہ شبلی کی کتابوں کا محققانہ جائزہ پیش کیا ہے اور جہاں کہیں کمیاں اور کمزوریاں ملی ہیں اس کی نشاندہی بھی کی ہے اور جہاں کہیں تعریف و تحسین کی بات آتی ہے کھل کر اس کا اظہار بھی کیا ہے اس سلسلے میں جن نقادوں نے علامہ کی کتابوں میں خوبیاں یا کمیاں اجاگر کی ہیں اسے بھی ڈاکٹر صاحب نے پیش کر دیا ہے۔ مثال کے لیے ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی تحریر پہلے پیش کی جاتی ہے جو الکلام اور شعر العجم کے حصے سے پیش کی گئی ہے۔

''الکلام میں چند کمیاں اور کمزوریاں ضرور ہیں'' (الکلام ص:۸۱)

''البتہ مولانا اسلم جیراجپوری کے اس اعتراض میں کہ شبلی نے کسی کا شعر کسی کے نام منسوب کر دیا ہے کسی قدر سچائی ضرور ہے، مولانا سے یہ تسامح ایک دو مقام پر ہوا ہے''۔ (شعر العجم: ص۲۶۱)

پھر اس کا جواب بھی ڈاکٹر صاحب نے بہت عمدہ طریقے سے دیا ہے۔

''ان کے بیشتر اعتراضات اصلاً اعتراض برائے اعتراض ہیں جس میں ان کا رویہ تنقید کے بجائے تنقیص پر مبنی ہے''۔ (شعر العجم: ص۲۶۳)

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ان نقادوں کا تذکرہ بھی کیا ہے جو بے جا تعریف و تحسین کرتے ہیں اور ان کا بھی ذکر کیا ہے جو تنقید برائے تنقید نہیں، برائے تنقیص کرتے ہیں۔ ذیل کی سطروں میں ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔

''تنقیدی نقطہ نظر سے جس طرح مولانا اسلم جیراج پوری کا نقطہ نظر درست نہیں

اسی طرح سے مداح شبلی مہدی افادی کے رویے کو بھی درست قرار نہیں
دیا جاسکتا۔ یہ دونوں تنقیدیں تنقیص اور مناظراتی تنقید کے درمیان معلق ہیں،
ان میں افادیت کم مضرت کے عناصر کی بہتات ہے''۔
(شعر العجم:ص۲۶۴)

اسی طرح ڈاکٹر الیاس الاعظمی نے اپنی رائے کے ساتھ ساتھ نقادوں کی بھی آراء کو پیش کر دیا ہے تا کہ قاری آسانی سے ساری باتیں سمجھ سکے۔

تیسرا باب علامہ شبلی کے رسائل اور تالیفات پر مشتمل ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے علامہ کے رسائل و تالیفات کو اکھٹا کر دیا ہے اور اس سلسلے میں جہاں کہیں تشریح طلب امور آتے ہیں وہاں ان کی بڑے سلیقے سے وضاحت بھی کر دی ہے لیکن میری سمجھ میں یہ باب بالکل نہیں آتی کہ ''تذکرہ گلشن ہند'' کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے اورنگ زیب عالمگیرؒ کی مثال کیوں دی، (ص:۳۷۸) بہر کیف اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب ہی وضاحت کر سکتے ہیں یا ہوسکتا ہے کہ راقم کی سمجھ میں ہی ان کی بات نہ آئی ہو۔ بہر کیف اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر صاحب نے اس باب پر بھی خاصی محنت کی ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔

کتاب کا چوتھا حصہ علامہ شبلی کی فارسی شاعری پر ہے۔ جس میں قصیدہ، مرثیہ، مثنوی، قطعات اور ان کی فارسی غزلیں شامل ہیں۔ علامہ کی فارسی شاعری پر ڈاکٹر صاحب نے بھرپور تبصرہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ علامہ شبلی فارسی کے قادر الکلام شاعر تھے اور ان کی شاعری کو اساتذہ اور اہل زبان نے بے حد پسند کیا ہے اور ان حضرات کے چند تحریری نمونے بھی ڈاکٹر صاحب نے بطور مثال پیش کیے ہیں۔

''ہمارے نزدیک بہ حیثیت فارسی شاعران کا اصل کمال ان کی خالص ایرنی طرز
ادا ہے جو بہت کم ہندی نژاد فارسی شعراء کے کلام میں نظر آتی ہے''۔
(ص،۴۱۶ مرزا احسان احمد)

''اس خیال کی صداقت پورے طور پر واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں فارسی
شاعری کا خاتمہ مرزا غالب پر نہیں بلکہ علامہ شبلی پر ہوا''۔

(مولانا آزاد:ص۴۲۱)

''جو فارسی زبان کا ذوق رکھتا ہو اور شاعری کا مزاج آشنا ہو یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ شبلی کا مرتبہ پیروی حافظ میں غالب سے بھی اونچا اور کم از کم نظیری کے برابر ہے۔''
(رئیس احمد نعمانی:ص۴۴۴)

''اور شبلی کے فارسی کلام میں روانی تو ایسی ہے کہ قدم قدم پر حافظ کی یاد دلاتی ہے۔''
(شمس الرحمٰن فاروقی:ص۴۵۷)

مندرجہ بالا سطور میں نقادان فن نے شبلی و غالب کی فارسی شاعری پر جو رائے دی ہے، اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ راقم کا خیال ہے کہ اگر یہ رائے علامہ کی فارسی شاعری پر نہ بھی ہو تو بھی علامہ کی شاعری کی اہمیت اور افادیت اپنی جگہ مسلم رہے گی۔

''آثار شبلی'' کا پانچواں باب علامہ شبلی کے اردو مجموعہ کلام پہ مشتمل ہے جس میں نظمیں، غزلیں، مرثیہ، مثنوی، رباعی اور مطائبات شامل ہیں۔ ظاہر ہے کہ شبلی نعمانی عربی و فارسی ادب کے بڑے عالم تھے اور اردو تو ان کی مادری زبان تھی جس میں وہ کھل کر اپنے احساس و جذبات کا اظہار کر سکتے تھے لیکن بعض گوناگوں مصروفیات کے باعث وہ اس طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے بلکہ تفنن طبع کے لیے انہوں نے شاعری کی لیکن اس کے باوجود اردو شاعری میں جو سرمایہ انہوں نے چھوڑا ہے اسے کسی بھی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس سلسلے میں ان کی ایک کاوش ان کی مثنوی ''صبح امید'' پیش کی جا سکتی ہے، جس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا، حالانکہ بیشتر نقادوں نے ان کی اردو شاعری پر توجہ نہیں دی ہے، باوجود اس کے علامہ شبلی کا نام بہ حیثیت اردو شاعر کے نمایاں اور منفرد ہے چند نقادوں کی رائے ذیل کی سطور میں بطور سند پیش کی جاتی ہے۔

''اگر شبلی اپنی تمام قابلیتوں کے ساتھ اردو شاعری اور صرف شاعری کے لیے وقف ہو جاتے تو وہ حالی سے بہت آگے نکل جاتے''۔ (عبدالقادر:ص۴۷۰)

زبان کے اعتبار سے مثنوی ''صبح امید'' حالی کی مسدس پر فوقیت رکھتی ہے۔
(کلیم الدین احمد:ص۴۸۵)

''شبلی کی مثنوی ہماری روح کو بیداری کا پیغام دیتی ہے''۔

(سلام سندیلوی:ص ۴۸۸)

مندرجہ بالا آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ علامہ شبلی کی اردو شاعری بھی بے مثال ہے اور اردو ادب کی تاریخ میں آب زر سے لکھے جانے کے لائق ہے۔

چھٹے باب میں علامہ شبلی کے مقالات اور خطبات کو شامل کیا گیا ہے۔ سرسید کے بعد علامہ شبلی کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے مقالہ نگاری کو مزید ترقی دی، بالخصوص تاریخی مقالہ نگاری کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ انہوں نے سیکڑوں مقالے سپرد قلم کیے اور قوم سے داد حاصل کی جسے ان کے لائق شاگرد سید سلیمان ندوی نے آٹھ جلدوں میں شائع کر دیا ہے۔ ڈاکٹر الیاس الاعظمی کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سبھی مقالات اور خطبات پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے علامہ شبلی کے کارنامے کو اردو دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے جس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

ساتواں باب علامہ شبلی کے خطوط پر مشتمل ہے۔ یہ باب بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کیوں کہ ان خطوط سے شبلی کی شخصیت کے کئی رنگوں کا پتہ چلتا ہے ان کی زندگی کے حالات، قوم ملت کے بارے میں ان کے خیالات ونظریات، تعلیم کے بارے میں ان کا مطمح نظر، علمی وادبی مشاغل پر ان کی فکر، انجمن وادارے کے بارے میں ان کی سوچ، حکومتوں کے حالات، احباب ومعاصرین کا ذکر، علامہ شبلی کے علمی مکتوب، ادب وانشاء کے تعلق سے ان کا خیال، نئی کتابوں کے بارے میں ان کی دلچسپی، املا وصحت زبان کے بارے میں ان کی جانکاری، قوانین کے مسائل، ندوہ کے بارے میں ان کی دلچسپی، مصوری، موسیقی اور خطابت کے بارے میں ان کی سوچ غرض ساری چیزوں کا ذکر ان کے خطوط میں ہوتا ہے۔

مرزا غالب کے بعد غالباً شبلی صاحب کی ہی شخصیت ہے جس نے اس فن کو بام عروج تک پہنچایا۔ حالانکہ کچھ لوگوں نے اس سلسلے میں بھی علامہ کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے لیکن جب حقیقت سامنے آئی تو علامہ کی ذات وصفات پر جو الزامات عائد کیے گئے تھے، اسے واپس لے لیا، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ علامہ شبلی کی مکتوب نگاری کے بارے میں ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی رائے بالکل مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

''علامہ شبلی کے مکتوبات واقعی قومی اعمال نامہ ہیں اور ہماری ملی تاریخ کے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (ص:۴۳۴)

کتاب کا آٹھواں حصہ نوادرات شبلی کے لیے مختص کیا گیا ہے۔جس میں علامہ شبلی کی غیر مطبوعہ تحریریں ہیں جہاں تک ڈاکٹر صاحب کی رسائی ہوسکی ہے سبھی تخلیقات کا تذکرہ کیا گیا ہے جس میں مضامین، مقالات، خطبات، مکاتیب، کلام، دیباچہ ومقدمہ کے عنوانات کے تحت سبھی کا تذکرہ بخوبی کیا ہے اوران پر اپنی رائے بھی پیش کی ہے اور آخر میں خاتمہ کے عنوان سے پوری کتاب کی مختصر روداد بھی پیش کردی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ علامہ شبلی کے کارناموں کی طویل داستاں ابھی بھی نامکمل ہے اوران پر آئندہ بھی کام کرنے کی ضرورت ہے حالانکہ ان کے کام کو ان کا قائم کردہ ادارہ دارالمصنّفین آج بھی آگے بڑھا رہا ہے اور علامہ شبلی کے خیالات ونظریات کی صحیح معنوں میں ترجمانی واشاعت بھی کررہا ہے جو تحسین وآفریں کے لائق ہے۔اور صحیح معنوں میں علامہ شبلی کے عزائم کی تکمیل بھی کررہا ہے۔ڈاکٹر صاحب کی تصنیف کردہ کتاب کے بارے میں مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''آثار شبلی''شبلیات کے لیے ایک اہم ماخذ کی حیثیت سے جانی اور پہچانی جائے گی کیون کہ علامہ شبلی کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ ساری تحریریں اس کتاب میں اکٹھا کردی گئی ہیں،ان ساری تحریروں پر ڈاکٹر صاحب نے بھرپور نقد تبصرہ بھی کیا ہے۔غرض کہ علامہ شبلی کی زندگی کی پوری تاریخ اس کتاب میں سمٹ آئی ہے۔یہ ڈاکٹر صاحب کا عظیم کارنامہ ہے جسے رہتی دنیا تک یاد کیا جاتا رہے گا۔اس کتاب کو لکھنے میں انہیں کتنی دقتوں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا یہ وہی لوگ جان سکتے ہیں جو اس راہ پرخار سے گزرے ہوں گے۔یقیناً ڈاکٹر الیاس الاعظمی کی یہ کاوش ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔بے شک یہ کتاب شبلی شناسی میں ایک اہم اضافہ ہے۔

ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی

سابق رفیق دارالمصنّفین اعظم گڑھ

لاریب حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانیؒ کو اردو زبان وادب کی طویل تاریخ میں وہی

تاج فضیلت حاصل ہے جو آفتاب کو دیگر سیارگان فلک پر۔آسمان ادب کے تمام سیاروں کی اپنے اپنے محور پر تابانیاں مسلم سہی، تاہم شمس ضیاپاش کی خیرگی سے کون انکار کرسکتا ہے۔ یہ ایک نا قابل تردید حقیقت ہے کہ شبلی نے اپنے ادبی افکار، ملی خدمات، تنقیدی شعور اور ندرت اسلوب سے پورے نظام وفن ادب پر نہایت گہرے نقوش مرتسم کیے ہیں۔ راقم سطور اپنی اس تحدی میں حق بجانب ہے کہ اردو کی پوری ادبی تاریخ میں شبلی جیسی ہشت پہل، جامع الکمالات اور متنوع الجہات شخصیت منصۂ شہود پر نہیں آئی۔اہل نظر سے مخفی نہیں کہ شبلی کی سدا بہار و ہر پل جواں تصانیف پر ''ابھی سے لونی لگنے'' کا تطاول کرنے والوں کے ''مقدمات'' کب کے اساطیر الاولین بن چکے ہیں۔

علامہ شبلیؒ نے اپنے ۵۶/ سالہ مختصر عرصہ حیات میں بہت کچھ پایا بھی، کھویا بھی اور سہا بھی۔ یہ حقائق حیات شبلی اور مکاتیب شبلی [خصوصاً مولانا شروانی کے نام کے خطوط] کے مطالعہ سے بہت روشن ہو کر سامنے آتے ہیں۔ بلاشبہ شبلی نے مضامین نو کے انبار بھی لگائے ہیں اور افکار تازہ کے ''دستۂ گل'' بھی سجائے، جن کی بوئے مشام افروز سے جہان ادب آج تک مہک رہا ہے۔ان کے علمی و ادبی انجازات اپنے موضوعات کے تنوع، ہمہ جہتی اور ندرت و جدت کے اعتبار سے جدید ہندوستان کی تاریخ [گذشتہ ایک صدی] میں عدیم المثیل ہیں۔ سیرۃ النعمان سے لے کر سیرۃ النبی ﷺ تک تحقیق وتدقیق کی نکتہ سنجیاں اور ادب وانشاء کی گہر باریاں قدم قدم پر دل و دماغ کو غذا فراہم کرتی ہیں۔

یہ بات یقیناً قابل ذکر ہے کہ موازنہ اور شعر العجم کے فن کار کی شگفتگی زبان و بیان کی بہار الفاروق اور الکلام بلکہ سیرۃ النبیؐ میں بھی یکساں قائم ملتی ہے۔ لاریب شیشہ و آہن کی نازک کاریگری اردو کے ہر بابا کے بس کا کام نہیں ہے۔اس کے لیے شبلی جیسے جمالیاتی ذوق، اعلی تنقیدی شعور اور معیار سخن سنجی کی ضرورت ہوتی ہے اور بلا شبہ اسی جمالیاتی ذوق نے شبلی کی ہر تحریر کو ''گلگشت مصلا'' اور ''آب رکناباذ'' بنا کر رکھ دیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ شبلی سوانحی وتنقیدی ادب میں لطافت اسلوب پیدا کرنے کے معلم اول ہیں۔

علامہ شبلی کی عقیدت اس عاجز بے مایہ کی گھٹی میں شامل ہے۔ اہل تعلق بخوبی واقف

ہیں کہ عاجز کے شعور و تعقل نے شبلی و سلیمان کے چرچوں سے معمور ماحول میں آنکھیں وا کی ہیں۔ اور پھر عمر رفتہ کے ساتھ فطری طور پر شبلی فہمی اور مطالعہ شبلیات کا ذوق پروان چڑھتا رہا ہے۔ اسی باعث عاجز راقم سطور یہ نہایت جرأت اندیشانہ بات عرض کرتا ہے کہ موازنہ انیس و دبیر کی اہمیت مقدمہ شعر و شاعری سے زیادہ ہے۔ کیوں کہ اس بات پر تمام نقادان سخن کا اتفاق ہے کہ حالی اگر جدید تنقید کے امام ہیں، تو شبلی جدید مشرقی تنقید اور اس کے ایک مستقل دبستان فکر کے امام ہیں۔ (جس کے گل سرسبد علامہ سید سلیمان ندویؒ ہیں۔)

یہ حقیقت کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ حالی کے برخلاف شبلی نے مشرقی شاعری کو مشرقی اصولوں کے تناظر میں پرکھنے کی کوشش کی ہے، انہوں نے ان قوانین اور اصولوں کو مغربی تنقید سے مستعار لینے کی طرف توجہ نہیں دی ہے جس کا حالی نے قدم قدم پر سہارا لیا ہے۔ دراصل یہی حالی اور شبلی کے درمیان نمایاں خط فاصل ہے۔ اسی باعث وہ حالی کے مقابلہ میں مشرقی ادب کی پنہائیوں میں اتر سکے اور اس کی روح کو تلاش کرنے میں کامیاب رہے۔

راقم سطور کو بخوبی یاد ہے کہ گذشتہ صدی کی چھٹی دہائی میں اس کے نادیدہ ادبی استاذ و مربی مشہور ادیب و نقاد مولانا ماہر القادریؒ اپنے رسالہ ''فاران'' میں ہر ماہ مطبوعات جدیدہ پر نہایت مطول اور سیر حاصل نقد و تبصرہ لکھا کرتے تھے، جن میں وہ موضوع کتاب سے زیادہ اس کے مصنف کی زبان و بیان کے حسن و قبح کا تنقیدی تجزیہ کیا کرتے تھے۔ مبدأ فیاض سے ان کو اس امر خاص میں بڑی غیر معمولی مہارت عطا ہوئی تھی اور اردو زبان کے محاوروں، تذکیر و تانیث اور واحد و جمع پر ان کی نظر گہری تھی۔

برصغیر کے مشاہیر مصنفین اور اہل قلم ماہر صاحب کے نقد و جرح کے سخت بے رحم اصولوں کو جاننے کے باوجود اپنی نئی کتابیں بصد شوق ''فاران'' کو بھیجا کرتے اور شدت اشتیاق و بے صبری کے ساتھ ان پر تبصرہ شائع ہونے کا انتظار کیا کرتے تھے۔ مرحومی ماہر صاحب نے اس معاملہ خاص میں بڑے سے بڑے مصنف کے ساتھ کوئی رو رعایت روا نہیں رکھی۔ استاذی المرحوم شاہ معین الدین ندویؒ ماہر صاحب کی علمی صلاحیت کے زیادہ قائل نہ ہونے کے باوجود ان کی مہارت لسانی کے بے حد معترف تھے اور ''فاران'' کے تبصروں کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا کرتے

تھے۔

لیکن بایں ہمہ مرحومی ماہر القادری علامہ شبلیؒ کو صحت زبان کی ٹکسال کہا کرتے تھے۔ انہوں نے متعدد جگہ اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ شبلی کے یہاں زبان و بیان کی غلطی مل نہیں سکتی۔ وہ ساری علمی و ادبی امت پر بھاری تھے۔ نیز یہ کہ اگر شبلی نے کہیں تذکیر و تانیث اور واحد و جمع جمہور امت کے خلاف استعمال کیا تو صحیح سو فیصد وہی ہے جو شبلی نے لکھا ہے۔ ماہر صاحب نے عرصہ دراز قبل ''شعر العجم۔ ایک مطالعہ'' کے عنوان سے ایک طویل و سیر حاصل مقالہ سپرد قلم کیا تھا۔ اس سے علامہ شبلی کے شاعرانہ ذوق، سخن سنجی اور لطافت اسلوب کے بارے میں ماہر صاحبؒ کے خیالات کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ مذکورہ مضمون میں ماہر صاحبؒ جیسے نکتہ سنج اور سخت گیر نقاد نے شبلی کی عظمت علمی اور ادبی جلالت شان کو سلام عقیدت پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

> ''شبلی اپنے معیاری شاعرانہ ذوق کے اعتبار سے اہل ذوق کی ایک پوری امت کے ہم پلہ ہیں۔ جس کسی پر شبلی کے مذاق شاعرانہ کی پرچھائیں بھی پڑ جائے گی وہ سخن سنج و سخن فہم ہو جائے گا، اردو میں تنقید و انشا پردازی اور تاریخ نگاری کے شبلی معلم اول ہیں............شبلی کے نقد و نظر کا کمال اور شاعرانہ ذوق کی بہار دیکھنی ہو تو شعر العجم کا مطالعہ کیجیے............اس کتاب نے اردو کی آبرو بڑھائی ہے اور اسے ترقی و بلندی عطا کی ہے......اس کتاب میں شبلی نعمانی نے ایک ہزار سال کی ایرانی شاعری کا عطر کھینچ کر بھر دیا ہے، شبلی کی نگاہ جوہر شناس کو آفریں و مرحبا جس نے کیسے کیسے لعل و گہر کا انتخاب کیا ہے جن کی جوت سے آنکھوں کی روشنی بڑھتی ہے۔
>
> اگر فارسی شاعری کو ایک شاہد نازنیں تصور کر لیا جائے تو شعر العجم کے آئینہ میں اس کی ایک ایک ادا اور سج دھج دکھائی دیتی ہے، پوری کتاب ادب و معانی کا گلدستہ ہے، ایک ایک شعر سے شعریت کی خوشبو آتی ہے اور مطالعہ کے دوران میں روح کو کیف حاصل ہوتا ہے، لطف و دلچسپی کی لے ایک لمحہ کے لیے بھی

ٹوٹنے نہیں پاتی۔ شروع سے آخر تک نگاہ و دل کے لیے آسودگی اور کیف و مسرت کی فراوانی ملتی ہے............شعرالعجم میں صرف زبان وادب کا لطف اور شعروشاعری کا چٹخارہ نہیں ملتا ہے بلکہ اس کتاب کا علمی پایہ بھی بہت بلند ہے۔ شعرالعجم بے راہ روی کے اس دور میں خضرراہ بن کر سامنے آتی ہے کہ شعر کو اس طرح پرکھا جاتا ہے، تنقید کا یہ اسلوب ہوتا ہے، بات اس انداز سے کہی جاتی ہے، علمی مواد اور تاریخی واقعات تنقید میں اس عنوان سے استعمال کرتے ہیں، طنز کا یہ ڈھنگ اور تحسین کا یہ پیرایہ ہے، لفظوں کو صحیح طور پر برتا جاتا ہے، زبان کی سلاست وروانی، تحریر کو یوں دلنشیں بناتی ہے۔ شبلی کو سلام ورحمت ہو کہ وہ اردو کو صحیفۂ ادب عطا کر گئے۔''

لاریب دبستان شبلی کے میر کارواں مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اپنے استاذ علام اور محسن ومربی کی ادبی وفکری تحریک کو تابندہ و پائندہ رکھنے کے لیے دل و جان سے مساعی انجام دیں۔ چنانچہ انہوں نے علامہ شبلی کے تصوراتی وتحریری خاکہ کے مطابق دارالمصنّفین کی تاسیس کی اوراس کو پروان چڑھانے کے لیے بے مثال ایثاروقربانی کا ثبوت دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ سید صاحبؒ اپنے استاذ کے قرض وفرض دونوں سے کماحقہ اور باحسن وجوہ عہدہ برآ ہوئے۔ گذشتہ صدی کی چوتھی دہائی کے آغاز میں حضرت سید صاحبؒ نے اپنے محسن ومربی کی نہایت مفصل وضخیم سوانح عمری لکھی جو اپنے گوناگوں محاسن کے باعث ادبی سوانح عمریوں کا سرتاج خیال کی جاتی ہے۔ علاوہ ازایں انہوں نے تلاش وجستجو کے ساتھ علامہ شبلی کے اس وقت تک دستیاب ایک ایک تحریری نقش [مقالات، مکاتیب، خطبات] کو گیارہ جلدوں میں مرتب کر کے شائع کیا۔ **فجزاه الله عنا جميعاً.**

محبّ عزیز ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے مطالعہ شبلیات کو اپنا موضوع کی قرار دے کر سید صاحب کے سلسلہ کو آگے بڑھایا ہے۔ متعلقات شبلی، کتابیات شبلی، شبلی سخنوروں کی نظر میں، مکتوبات شبلی اس سلسلہ کی اہم کوششیں ہیں۔ ان کی وقیع ومبسوط تصنیف آثار شبلی دراصل حیات شبلی کا امتداد (Extension) یا اس کے حصہ دوم کی حیثیت رکھتی ہے۔ عزیز موصوف نے اس میں علامہ شبلی کے تمام علمی وادبی اکتسابات کا مفصل تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس مطالعہ

سے دل و دماغ کو بصیرت اور ذوق و وجدان کو معلومات فراواں کی غذا حاصل ہوتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''آ ثار شبلی'' سے علامہ شبلی کی شخصیت و کمالات کی جامعیت و ہمہ گیری کی مزید روشن اور جگمگاتی تصویر نظر افروز ہوتی ہے۔ بلاشبہ ڈاکٹر الیاس الاعظمی اس جاوداں تصنیف کے لیے تمام ذوق شناسان ادب کی تبریک و تحسین کے مستحق ہیں۔

علامہ شبلی کے متنوع صفات و کمالات کے باعث ان کے عہد کے باکمالوں سے علمی وفکری روابط اور خط و کتابت کا سلسلہ قائم رہا۔ عزیز مکرم ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی نے ان روابط کا مطالعہ ان کے خطوط کی روشنی میں کیا ہے۔ یہ دراصل علامہ شبلی کے نام اہل علم کے خطوط کا مجموعہ ہے۔ جو نہایت تلاش و جستجو سے حاصل کر کے حواشی و تعلیقات کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ علامہ شبلی کے بھائی مہدی حسن کے خطوط کو بطور ضمیمہ شامل کیا گیا ہے۔ اس سے خانوادہ شبلی کے بعض نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ مطالعات شبلی کے حوالے سے یہ ایک اہم اضافہ اور مرتب عزیز موصوف کے کی تلاش و تحقیق اور محنت شاقہ کا ایک نمونہ ہے۔ راقم سطور کو قوی امید ہے کہ موصوف کے دیگر ادبی انجازات کی طرح اس کو بھی قبول عام کی سند حاصل ہوگی۔

صرف چار سال کے بعد دارالمصنّفین اپنی تاسیس کی صدی مکمل کرنے جارہا ہے، اس یادگار موقع پر عزیز موصوف کی پیش نظر کتاب بانی دارالمصنّفین کی روح معلیٰ کے لیے ایک خراج عقیدت ثابت ہوگی۔ **والی اللہ ترجع الامور۔**

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

بخش فارسی، آل انڈیا ریڈیو، دہلی

آپ کے ''آثار شبلی'' ہے جو یہ پیش نظر
ہے یہ الیاس اعظمی کے نخلِ دانش کا ثمر

سات سو باون صفحے کی پیش کش ہے یہ ضخیم
ہے جو اک سرچشمہ شبلی شناسی معتبر

شبلی نعمانی دیار شرق کی ہیں آبرو
جن کی عظمت کے نشاں ہیں آج ہر سو جلوہ گر

شبلی کی صد سالہ برسی آ رہی ہے اگلے سال
شبلی منزل جن کے نخلِ سعادت کا ثمر

ہوگا یہ شبلی صدی کا ایک تحفہ یادگار
اب کریں استفادہ جس سے اربابِ نظر

''شبلی منزل'' کا یہ برقی تحفۂ نایاب ہے
جاری و ساری ہے جس کا اب بھی فیضانِ نظر

DR. MOHAMMAD ILYAS AZMI

Bahaisiyat Shibli Shanas

By:

Shaista Riyaz